’’اُن کا مستقبل خطرے میں ہے‘‘

پاکستان کے صوبہ بلوچستان میں

اساتذہ اور سکولوں پر حملے

جملہ حقوق (c)2010 ہیومن رائٹس واچ
جملہ حقوق محفوظ ہیں
ISBN: 1-56432-724-8
کور ڈیزائن رافیل جمنیز

ہیومن رائٹس واچ
350-ففتھ ایونیو،فلور34
نیویارک NY 10118-3299 ریاست ہائے متحدہ امریکہ
فون: 4700 290 212 1+ فیکس:1300 736 212 1+
hrwnyc@hrw.org

پوسٹ ٹراب 5-4
10178 برلن، جرمنی
فون: 10- 06 2593 30 49+
فیکس: 29 06 2593 30 49 +
berlin@hrw.org

ایونیو دلیس گولیس، 7
1040 برسلز، بیلجیم
فون:2009 732 (2) 32+ فیکس:0471 732 (2) 32+
hrwbe@hrw.org

64-66 ریوڈی لاوسان
1202 جنیوا، سوئٹزرلینڈ
فون:0481 738 22 41 ++، فیکس:1791 738 22 41 +
hrwgva@hrw.org

2-12 پینٹن وائل روڈ، فلور2
لندن, NI9HF، UK
فون:1995 7713 20 44 + ،فیکس: 1800 7713 20 44+
hrwuk@hrw.org

27 ریوڈی لسبون
75008، پیرس، فرانس
فون 35 55 59 43 (1) 33 +،فیکس:22 55 59 43 (1) 33+
paris@hrw.org

1630 کونیکٹکٹ ایونیو، این، ڈبلیو، سوئٹ 500
واشنگٹن، ڈی سی 20009 ریاست ہائے متحدہ امریکہ
فون:4321 612 202 1 +، فیکس: 4333 612 202 1+
hrwdc@hrw.org

ویب سائٹ: **http://www.hrw.org**

دسمبر 20010

ISBN-1-56432=724-8

"اُن کا مستقبل خطرے میں ہے"

پاکستان کے صوبہ بلوچستان میں
اساتذہ اور سکولوں پر حملے

فہرست

	نقشہ	6
(i)	خلاصہ	**7**
(ii)	پاکستان کے صوبے بلوچستان میں اساتذہ اور سکولوں پر حملے	**9**
(iii)	سفارشات	**9**
	☆ بلوچستان کے مسلح گروہوں سے	9
	☆ بلوچستان کی صوبائی حکومت سے	9
	☆ پاکستان کی وفاقی حکومت سے	10
	☆ اقوام متحدہ کے بچوں کے ادارے (UNICEF) سے	10
(iv)	طریقہ کار	**11**
(v)	پس منظر	**12**
	☆ سیاق وسباق	12
	☆ بلوچستان کا تعلیمی نظام	16
(vi)	اساتذہ اور دوسرے تعلیمی عملے کی ہلاکتیں	**19**
	☆ قتل کرنے کے مقاصد	19

	☆	جنوری 2008 سے اپریل 2010 تک تعلیمی عملے کا قتل	20
(vii)	تعلیم کو نقصان		**27**
	☆	اُساتذہ کے تبادلوں کے نتائج	27
	☆	نتائج جب اساتذہ تبادلہ نہ کروائیں	30
	☆	تعلیمی ایام کا نقصان	32
(vii)	سکولوں پر حملے اور دھمکیاں		**33**
	☆	سکولوں پر حملے	34
	☆	قوم پرست گروہوں سے دوسرے خطرات	37
	☆	اسلامی متشدد گروہوں سے سکولوں کو خطرات	38
☆	شکریہ کے کلمات		**39**

Map

Afghanistan
F.A.T.A.
N.W.F.P.
Sherani
Zhob
Qilla
Abdullah
Qilla Saifullah
Musakhel
Pishin
Ziarat
Loralai
Quetta
Barkhan
Sibi
Mastung
Kholu
PUNJAB
Nushki
Kalat
Bolan
Dera Bugti
Chagai
Pakistan
Jhal
Magsi
Nasirabad
BALOCHISTAN
Jafarabad
Washuk
Kharan
Khuzdar
Iran
India
Panjgur
Awaran
SIND
Kech
Lasbela
Gwadar
India
Arabian Sea
GILGIT-
BALISTAN
N.W.F.P.
JAMMU &
KASHMIR
F.A.T.A.
AZAD
ISLAMABAD
PUNJAB
Pakistan
BALOCHISTAN
SIND

ا - خلاصہ

اب تک 10 اساتذہ (سکول) چھوڑ کر جا چکے ہیں...... 2006 سے اس (سکول) سے تعلق رکھنے والے چھ اساتذہ کو ہلاک کیا جا چکا ہے۔ اُن میں سے بیشتر کو گزشتہ 12 ماہ کے دوران ہلاک کیا گیا...... میرا شعبہ تدریس، میرا فرقہ شیعہ اور پس منظر نوآبادکار، یہ وہ تمام خاصیتیں ہیں جن کے باعث میں شدت پسندوں کا نشانہ بن سکتا ہوں۔ میرے اور میرے خاندان کے لیے بہتر یہی ہے کہ ہم جتنی جلدی ممکن ہو سکے یہاں سے چلے جائیں۔

...... استاد، مقام خفیہ، بہار، 2010۔

اس وقت سب سے زیادہ متاثرہ لسانی گروہ بلوچ ہے کیونکہ یہی لوگ اساتذہ سے محروم ہو رہے ہیں۔ انہی کے بچوں کی تعلیم متاثر ہو رہی ہے، اور انہی کا مستقبل خطرے میں ہے...... بلاشبہ نوآبادکار اور بالخصوص پنجابی (بھی) براہ راست متاثر ہو رہے ہیں...... انہی کے لوگوں کو قتل کیا جا رہا ہے۔

......اعلیٰ صوبائی سرکاری افسر، کوئٹہ، بہار 2010۔

پاکستان کے مغربی صوبے بلوچستان میں اساتذہ، پروفیسرز اور سکول منتظمین کی زندگیوں کو لاحق خطرات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ جنوری 2008 اور اکتوبر 2010 کے دوران، مشتبہ شدت پسند گروہوں نے صوبے میں کم از کم 22 اساتذہ اور شعبہ تعلیم کے دیگر اہلکاروں کو نشانہ بنایا اور ہلاک کیا۔ شدت پسندوں نے سکولوں کو دھمکیاں دیں، بمباری کی اور اُن پر دیگر طریقوں سے حملے بھی کیے جس کے نتیجے میں لوگ زخمی اور ہلاک ہوئے، املاک کو نقصان پہنچا اور بلوچستان کے بچوں اور نوجوانوں کے تعلیمی ایام میں کمی آئی۔ 2009 میں، بلوچستان کے سرکاری سکول پڑھائی کے لیے صرف 120 دن کھلے رہے جبکہ پاکستان کے دیگر علاقوں میں 220 دن کھلے رہے۔

اپنے تحفظ کو درپیش خطرات سے خوفزدہ ہو کر، بیشتر اساتذہ...... بالخصوص وہ جن کا تعلق لسانی پنجابی اور شیعہ مسلمان اور ہدف بننے والی دیگر اقلیتوں سے ہے...... تبادلہ کروانے کے لیے درخواستیں دائر کر رہے ہیں، جس کے باعث پاکستان میں پہلے ہی بدتر نظام تعلیم مزید بدتر ہوگا۔ 2008ء سے 200 سے زائد اساتذہ اور پروفیسرز اپنے سکولوں سے نسبتاً محفوظ دارالحکومت کوئٹہ تبادلہ کروا کر چلے گئے ہیں، یا صوبہ ہی چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ تقریباً 200 اساتذہ تبادلہ کروانے کی تگ و دو میں ہیں۔ نئے اساتذہ کی تلاش انتہائی مشکل ہے اور نئے تعینات ہونے والے پہلے والوں کی نسبت کم تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔ صوبے کے بلوچ علاقوں کے سکولوں میں اساتذہ کی کمی ہے یا وہ غیر تربیت یافتہ ہیں اور باقی رہ جانے والے بیشتر اساتذہ کہتے ہیں کہ امن و امان کی بگڑتی ہوئی صورت حال کے باعث اُن کا تدریسی عمل شدید متاثر ہوا ہے۔

اساتذہ، سرکاری افسران، صحافیوں، غیر سرکاری تنظیموں اور سکول کے بچوں کے انٹرویوز پر مشتمل یہ رپورٹ تعلیمی اداروں، تعلیمی عملے اور طلبا و طالبات پر حملوں کو وسیع سیاسی، مذہبی اور ثقافتی اختلافات کا حصہ سمجھتی ہے۔ رپورٹ میں ایسے حملوں کے علاقے کی تعلیم پر پڑنے والے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے جن میں شدید خوف، سکول میں پڑھائی کے دنوں میں کمی، اور تعلیم یافتہ اساتذہ کے قتل عام کا بھی شامل ہیں۔

ایک مخصوص نسل یا مذہب کے لوگوں جنہوں نے اپنی زندگیاں شعبہ تدریس کے لیے وقف کر رکھی ہیں کو قتل کرنے سے صوبے میں

مواقعوں اور بہتر نتائج میں مزید کمی آئے گی جو پہلے ہی اپنی عوام کو تعلیم مہیا کرنے اور ترقی کرنے کے لیے جدوجہد کر رہا ہے اور اس سے پہلے سے خراب صورت حال مزید بدتر ہو رہی ہے۔ اساتذہ اور دیگر تعلیمی عملے کی ٹارگٹ کلنگ، یا سکولوں پر حملوں کا کوئی قابل قبول جواز نہیں پایا جاتا۔ ہلاکتوں سے قطع نظر محض لاقانونیت ہی مسلح گروہوں کی اس پریشان کن عمل کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ صوبے میں بچوں کی تعلیم کو اپنے مسلح ایجنڈے کے لیے بطور ہتھیار استعمال کرنے کے لیے تیار ہیں۔

تعلیم بلوچستان میں تین پرتشدد تنازعات کے بیچ میں پھنس کر رہ گئی ہے۔ پہلا قومیت کا مسئلہ، جس میں بلوچ مسلح گروہ جیسا کہ بلوچ آزاد فوج (BLA) اور بلوچ آزاد متحدہ محاذ (BLUF) بلوچستان کی علیحدگی یا خودمختاری کے لیے کوشش کر رہے ہیں اور یہی پنجابیوں اور دوسری اقلیتوں کو خاص طور پر مستونگ، قلات، نوشکی، گوادر، خضدار اور کوئٹہ کے اضلاع میں نشانہ بنا رہے ہیں۔ اس طرح کی ''ٹارگٹ کلنگ'' کا نشانہ ہر شعبے کے افراد بن رہے ہیں لیکن متاثرہ اشخاص میں سب سے زیادہ تناسب اساتذہ اور طلبا کا ہے کیونکہ مسلح گروہوں کی نظر میں سکول اور تعلیمی عملہ خاص طور پر پنجابی نسل کے لوگ صوبے میں پنجابی فوج کے جبر اور پاکستانی ریاست کے نمائندے ہیں۔

زیادہ تر حملوں کی ذمہ داری کوئی بھی قبول نہیں کرتا اور بہت کم مجرموں کو پکڑا گیا ہے اور سزا دی گئی ہے اور جو اس تشدد کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں وہ اکثر وسائل پر بلوچوں کے اختیارات نہ ہونے، وفاقی حکومت میں صحیح نمائندگی نہ ملنے اور ریاستی حفاظتی اداروں کی طرف سے بلوچوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کے جواب کے طور پر جائز ردعمل قرار دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ تشدد کی حالیہ لہر کی جڑیں 2006 میں نامور بلوچ قبائلی رہنما نواب اکبر خان بگٹی کے قتل اور اپریل 2009 میں تین اہم بلوچ سیاسی رہنماؤں کا ان عناصر کے ہاتھوں قتل جن کا پاکستانی فوج سے تعلق سمجھا جاتا ہے پائی جاتی ہیں۔ بلوچ مسلح گروہوں نے سکولوں کی انتظامیہ کو دھمکی دی کہ پاکستان کی تاریخ پڑھانا، پاکستانی قومی پرچم لہرانا اور سکولوں میں قومی ترانہ گانا بند کیا جائے۔ بلوچ آزاد فوج (BLA) نے قلات کے ایک سینئر استاد کے قتل کی ذمہ داری قبول کی جو کہ جون 2009 میں مارا گیا کیونکہ اُس نے بلوچ ترانے اور بلوچ جھنڈے کو لہرانے کی مخالفت کی تھی۔

دوسرا واضح تنازعہ فرقہ وارانہ ہے جس میں مسلح سنی مسلمان دھڑوں نے شیعہ مسلمانوں، خاص طور پر فارسی بولنے والے ہزارہ قبیلے پر حملے کیے ہیں۔ اس طرح کے فرقہ وارانہ حملے 2009 میں کافی بڑھ گئے اور یہ زیادہ تر کوئٹہ اور اردگرد کے اضلاع میں ہوتے ہیں۔

تیسرے تنازعے میں وہ مسلح اسلامی گروہ ملوث ہیں جو ہر اُس شخص کو نشانہ بناتے ہیں جو اسلام کی تشریح، اُن کی منشا کی تشریح کے خلاف کرتا ہے۔ مسلح اسلامی گروہوں نے مقامی تعلیم کے طور طریقوں اور مضامین، خاص طور پر لڑکیوں اور نوجوان عورتوں کی تعلیم کے خلاف بہت تشدد برپا کیا ہے۔ بہت سی ایسی دھمکیوں کی اطلاعات ملی ہیں جس میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ سکول لڑکوں اور لڑکیوں کو اکٹھا پڑھانا بند کر دیں اور اساتذہ اور طلبا مقامی قدیم طرز کا لباس اپنائیں۔

ہیومن رائٹس واچ بلوچستان کے مسلح گروہوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ سکولوں، شہریوں اور تعلیمی عملے کے خلاف ہر طرح کے حملے بند کر دیں، اور بلوچستان کی صوبائی حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ ذمہ دار افراد کو انصاف کے کٹہرے میں لایا جائے اور اس طرح کے حملوں کو روکنے کے لیے اقدامات کیے جائیں اور ان کے اثرات میں کمی کے لیے اقدامات کیے جائیں اور پاکستان کی وفاقی حکومت سے کہ وہ ان کوششوں کی حمایت کرے۔

بلوچستان کی صورت حال پر ہیومن رائٹس واچ کی دو رپورٹوں میں سے یہ پہلی ہے۔ دوسری رپورٹ میں پاکستان کے حفاظتی اداروں کے ہاتھوں بلوچوں کے جبراً لاپتہ کیے جانے پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

II-سفارشات

بلوچستان کے مسلح گروپوں سے

☆ فوری طور پر اساتذہ، پروفیسرز، تعلیمی عملے اور عام شہریوں اور سکولوں کے خلاف حملے اور دھمکیاں بند کردیں۔

☆ فوری طور پر ایک کھلا بیان جاری کریں اور اپنے گروپ ممبران کو ہدایت کریں کہ اساتذہ کی عزت کا احترام کریں اور سکولوں پر حملے بند کریں۔

☆ ان ممبران کے خلاف باقاعدہ تنظیمی کارروائی کریں جو اس طرح کے حملوں کا حکم دیتے ہیں یا خود حصہ لیتے ہیں۔

بلوچستان کی صوبائی حکومت سے

☆ شعبہ تعلیم کے افراد اور سکولوں کی کھلے عام مذمت کریں چاہے متاثرہ شخص یا مجرم کا تعلق کسی بھی نسل یا سبھی مذہب سے ہو۔

☆ اساتذہ اور سکولوں پر حملوں کی مکمل تحقیقات کی جائیں اور ذمہ داران کو سزا دی جائے۔

☆ تعلیمی ایام کے ضیاع کے ازالے کے لیے طریقہ کار قائم کیا جائے جیسا کہ بنیادی مضامین کے اوقات میں اضافہ۔

☆ کم تجربہ کار اساتذہ کے لیے تربیتی نشستوں کا قیام کریں۔

☆ جن سکولوں میں اساتذہ کے ہنگامی تبادلے اور اُن میں عدم تحفظ کی بنیاد پر عملے کی کمی ہے وہاں تعلیم کی عارضی فراہمی کا طریقہ کار وضع کیا جائے۔

☆ بلاتوقف ایک بین محکمہ گروپ تشکیل دیا جائے جس میں محکمہ تعلیم، امورِ نوجوان، عورتوں کی ترقی، پبلک سیفٹی کمیشن، سماجی بہبود اور وزیر اعلیٰ کی نگران ٹیم کے نمائندے شامل ہو۔

اس گروپ کو چاہیے کہ

- ''ہر اُس گاؤں یا شہر کا دورہ کرے جہاں حفاظتی مسائل ہیں۔ جن کا مختلف شواہد سے پتہ چلتا ہے مثلاً اساتذہ کے تبادلے کی زیادہ تعداد سے۔ وہاں یہ گروپ اساتذہ، سکول پرنسپل، مقامی تعلیمی کمیٹیوں، طلبا اور اُن کے والدین، گاؤں کے معتبر افراد اور مقامی پولیس سے الگ الگ ملے اور اساتذہ اور سکول کی حفاظت کے لیے مناسب اقدام کا تعین کرے۔
- اُن مشاورتوں کی بنیاد پر حکومت کے مناسب ردعمل کے بارے میں حاصل تجربات کی ایک فہرست تجاویز شائع کرے۔
- اس پر نظر رکھنے کے لیے ایک اعلیٰ افسر کو تعینات کرے اور کسی سکول یا استاد کو ملنے والی دھمکی یا خطرے کا پتہ لگانے کے لیے اعلیٰ سطح پر نگرانی کی جائے تاکہ خطرے کا شروع میں ہی پتہ لگایا جا سکے اور مناسب حفاظتی اقدامات کیے جاسکیں۔

پاکستان کی وفاقی حکومت سے

- ☆ وفاقی حکومت بلوچستان میں ارباب اختیار سے تعاون کرے تاکہ ایک تیز جوابی کارروائی کا نظام تشکیل دیا جائے کہ جب بھی سکولوں پر حملے ہوں تو متاثرہ جگہوں کو تیزی سے مرمت کیا جا سکے اور تباہ شدہ ملبہ ہٹایا جا سکے تاکہ بچے جلد از جلد سکول واپس لوٹ سکیں۔ مرمت کے دوران طلباء کو دوسرے ذرائع سے تعلیم دینی چاہیے اور جہاں ضرورت ہو نفسیاتی مدد بھی مہیا ہو۔
- ☆ عالمی عدالت انصاف (International Criminal Court) کے معاہدہ روم (Rome Statue)، کی توثیق کی جائے جو کہ تعلیم کے لیے مختص عمارتوں پر جان بوجھ کر حملوں کو جنگی جرم قرار دیتا ہے تا آنکہ یہ بین الاقوامی یا مقامی جنگ کے دوران فوجی مقاصد کے لیے استعمال ہو رہی ہوں۔

اقوام متحدہ کے بچوں کے ادارے (UNICEF) سے

- ☆ غیر سرکاری تنظیمیں اقوام متحدہ کے دوسرے اداروں سے مل کر ایک ایسا طریقہ کار وضع کریں جس سے بلوچستان میں تعلیم اور بچوں کے خلاف ہونے والے جرائم کی نگرانی کی جا سکے۔

III- طریقہ کار

یہ رپورٹ اس تحقیق پر مبنی ہے جو ہیومن رائٹس واچ نے اپریل اور مئی 2010 میں بلوچستان میں کی۔ ہمارے محقق نے 23 لوگوں سے انٹرویو کیے جن میں 14 سے 17 سال کی عمر کے تین بچے بھی شامل تھے۔ ہیومن رائٹس واچ نے نجی اور سرکاری دونوں سکولوں کے اساتذہ، طلبا، متاثرین کے گھر والوں اور دوستوں سرکاری حکام، صحافیوں، غیر سرکاری تنظیموں کے مقامی اور بین الاقوامی نمائندوں سے انٹرویو کیے۔

انفرادی طور پر انٹرویو اردو میں کیے گئے لیکن کچھ موقعوں پر چھوٹے گروپوں میں اور انٹرویو دینے والے کی منتخب کردہ زبان میں کئے گئے۔ کسی کو بھی معلومات دینے کے عوض کچھ ادا نہیں کیا گیا۔

انٹرویو دینے والوں کے نام اُن کی پہچان چھپانے کے لیے تبدیل کر دیے گئے ہیں اور اُن سب نے حفاظتی نقطہ نظر سے اور کچھ نے اس لیے بھی کہ وہ سرکاری ملازمین ہیں یہ درخواست کی کہ ان کے اصل نام استعمال نہ کیے جائیں۔ فرضیہ نام شاید انٹرویو دینے والے کی نسل، قبیلے یا مذہب سے میل نہ کھائیں۔ حفاظت کے نقطہ نظر سے بعض اوقات انٹرویو کی تاریخ، مقام اور اس کے علاوہ پہچان کی دوسری معلومات ظاہر نہیں کی گئی ہیں۔

IV- پس منظر

پاکستان کے باقی تمام صوبوں کے مقابلے میں بلوچستان کی نوجوان نسل اور بچوں نے لمبے عرصے سے بدترین تعلیمی حالات کا سامنا کیا ہے۔اس صورت حال کے کئی اسباب ہوسکتے ہیں بشمول بلوچستان کی شدید غربت، وسیع بدعنوانی، ناقص حکمرانی اور منفی تفریق اور صوبے میں لمبے عرصے سے چلے آنے والی پرتشدد فضا نے ان سب میں اضافہ کردیا۔تاہم حالیہ نسلی اور فرقہ وارانہ تشدد، خاص طور پر سکولوں اور اساتذہ پر حملوں نے پہلے سے ہی کمزور تعلیمی نظام کو اور بھی تباہ کردیا ہے۔

سیاق وسباق

بلوچستان، پاکستان کا انتہائی مغربی صوبہ ہے جو ایک طرف ایران کی سرحد سے اور دوسری طرف افغانستان کی سرحد سے ملتا ہے۔یہ ملک کے چاروں صوبوں میں رقبے کے لحاظ سے سب سے بڑا ہے (ملک کا 44 فیصد زمینی حصہ) لیکن آبادی کے لحاظ سے سب سے چھوٹا (ملک کی آبادی کا 5 فیصد) ہے۔1998 کی مردم شماری کے مطابق اس صوبے کی دوتہائی آبادی یعنی 80 لاکھ افراد دیہات میں رہتے ہیں۔[1] 55 فیصد آبادی کی مادری زبان بلوچی ہے اور یہ زبان پاکستان میں ایک اہم نسلی پہچان ہے جبکہ 30 فیصد پشتو، 5.6 فیصد سندھی، 2.6 فیصد سرائیکی، 2.5 فیصد پنجابی اور 1 فیصد اردو ہے۔[2]

بلوچستان کے تین واضح جغرافیائی علاقے ہیں۔حب، لسبیلا اور خضدار پر مشتمل پٹی پر کراچی شہر کا بہت زیادہ اثر ہے جو کہ صوبہ سندھ میں واقع ہے اور پاکستان کا ایک مضبوط معاشی مرکز ہے۔ساحلی پٹی جو کہ زیادہ تر مکران پر مشتمل ہے گوادر پورٹ کے زیر اثر ہے۔مشرقی بلوچستان صوبے کا سب سے دور دراز علاقہ ہے۔قلیل آبادی والے اس علاقے میں پاکستان کے سب سے بڑے قدرتی ذرائع تیل، گیس، تانبے اور سونے کے ذخائر ہیں اور اہم بات یہ کہ یہی وہ علاقہ ہے جہاں پاکستانی ریاست اور مقامی قبائلی سرداروں کے مابین طاقت کی جنگ زیادہ شدید ہے[3]

بلوچستان معاشی اور عسکری دونوں لحاظ سے اہم ہے۔نہ صرف یہ صوبہ ایران اور افغانستان کی سرحد سے ملتا ہے بلکہ یہاں متنوع نسلوں کے لوگ رہتے ہیں اور مبینہ طور پر یہ یہاں کوئٹہ میں طالبان کی نام نہاد ''کوئٹہ شوریٰ'' بھی موجود ہے[4] یہ صورت حال بہت سی بیرونی ریاستوں

1- پاکستان کی مردم شماری 1998: بلوچستان کی صوبائی رپورٹ / ورلڈ بینک: بلوچستان کی معاشی رپورٹ: کنارے سے مرکز تک; دوسرا حصہ 2008

2- پاکستان کی مردم شماری 1998: بلوچستان کی صوبائی رپورٹ

3- روبرٹ جی وِرسنگ، بلوچ قوم پرستی ''توانائی کے ذرائع کی ارضی سیاست; پاکستان میں علیحدگی کی بدلتی صورت حال'' ادارہ برائے مطالعہ حکمت عملی، یونائیٹڈ سٹیٹس آرمی وار کالج، اپریل 2008
http://ww.strategicstudiesinstitute.dermy.mil/pdffiles/pub-853.pdf

4- ایضاً: کوئٹہ شوریٰ افغان طالبان کی اعلیٰ قیادت پر مشتمل ایک جنگجو تنظیم ہے۔یہ نومبر 2001 میں امریکہ کے افغانستان پر حملے کے وقت وجود میں آئی جب طالبان کی اعلیٰ قیادت پاکستان کی طرف فرار ہوگئی۔

بشمول امریکا، چین، ایران، بھارت اور متحدہ عرب امارات کے اس علاقے میں سیاسی اور معاشی مفادات کی بنا پر اور بھی پیچیدہ ہو جاتی ہے۔[5]

تاریخی طور پر اس صوبے کے تعلقات پاکستان کی وفاقی حکومت سے ہمیشہ کھچے کھچے رہے ہیں۔ جس کی وجہ وسیع تر صوبائی خودمختاری، قدرتی ذرائع کی تلاش و پیداوار اور مسلسل محرومی کا احساس ہے۔ 1999 سے 2008 کے درمیان پاکستان کے فوجی حکمران، صدر جنرل پرویز مشرف کے دور میں حالات اور بھی بگڑ گئے۔[6]

2005، اور 2006 میں مشرف کے دورہ بلوچستان کے دوران اس پر دو قاتلانہ حملوں کی وجہ سے فوج اور فوج کے اہم ترین خفیہ ادارے ملٹری انٹیلی جنس کی طرف سے بلوچ قوم پرستوں کے خلاف فوجی کارروائی کی گئی۔ اس کارروائی کے نتیجے میں اگست 2006 میں بااثر قبائلی سردار نواب اکبر بگٹی اور اُس کے 35 قریبی ساتھی مارے گئے۔

پاکستان کی انسانی حقوق کی تنظیموں نے 2005 سے بلوچستان میں فوج کی طرف سے کی گئی انسانی حقوق کی کئی شدید پامالیوں کو درج کیا ہے۔ مثلاً ماورائے عدالت قتل، تشدد، جبراً لاپتہ کیا جانا، جبراً بے گھر کیے جانا اور طاقت کا بے دریغ استعمال[7] جنیوا کے اندرون وطن بے گھر ہونے والے افراد کے لیے نگران مرکز (International Displacement Monitoring Center) کے مطابق 2005 میں ڈیرہ بگٹی کے ارد گرد ہونے والے تشدد کی وجہ سے 6000 لوگ بے گھر ہوئے اور بیسیوں مارے گئے[8] تمام اضلاع سے بے گھر ہونے والے افراد کی کل تعداد ابھی تک معلوم نہیں ہوسکی گو اندازے بتاتے ہیں کہ یہ ہزاروں یا لاکھوں کی تعداد میں ہیں۔[9] 2008 میں مشرف کے نکالے جانے کے بعد، پاکستان کی وزارت داخلہ کے اندازے کے مطابق اُس کے دور میں 1100 بلوچ لاپتہ ہوئے۔[10] ابھی تک حکومت ان میں سے چند لوگوں کو ہی منظر عام پر لایا ہے۔[11]

بلوچستان میں مسلح گروپ ٹارگٹ کلنگ اور نجی ملکیتوں کو تباہ کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ پچھلے کئی سالوں میں، غیر بلوچوں اور اُن کے

5- ایضاً

اس کے علاوہ دیکھیے ماہا اتل کا مضمون ''چین کا پاکستان میں راستہ'' 10 مئی 2010، Fobes Asia

http://www.farbes.com/global/2010/05/10/companies-pakistan-oil-gas-balochistan-china-pak-corridor.html (22 نومبر 2010 کو حاصل کیا گیا)

6- دیکھیے احمد رشید: ''تباہی کی طرف'' (نیویارک، وائکنگ 2008) صفحہ 283-287

7- پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق ''انسانی حقوق کی پامالی: بلوچستان میں تنازعہ'' اگست 2006ء
http://hrcp-web.org/pdfconflict@20in@20balochistan-%20complete.pdf (22 نومبر 2010 کو حاصل کیا)

8- ''پاکستان: مسلح گروہوں کے خلاف فوج کی کارروائی سے ہزاروں افراد بے گھر'' اندرون وطن بے گھر ہونے والے افراد کے لیے مرکز نگرانی''، 10 اکتوبر 2006، صفحہ 7

9- ایضاً

10- ہیومن رائٹس واچ، ورلڈ رپورٹ 2009 (نیویارک: ہیومن رائٹس واچ 2009) پاکستان باب
http:www.hrw.org/en/world-report/2009/pakistan

11- ایشین ہیومن رائٹس کمیشن ''پاکستان: بلوچستان سے 168 سے زائد بچے لاپتہ ہو چکے ہیں۔ جنگی جرائم کا مقدمہ قائم کیا جائے'' 2 فروری 2010
http://www.ahrchk.net/statements/mainfile/php/2010 statements/2395 (22 نومبر 2010 کو حاصل کیا گیا)

کاروباراوراس کے علاوہ گیس کے اہم مراکز اور دوسری عمارتوں پران کی طرف سے حملوں میں شدت آ گئی ہے۔[12] انہوں نے پورے صوبے میں پولیس،سکیورٹی فورسز اورفوج کے اڈوں کو بھی نشانہ بنایا ہے۔[13]

پاکستانی حکومت کی صوبے میں موجود قدرتی ذخائر اور ایندھن حاصل کرنے کی کوششوں،فوجیوں کی بڑی تعداد کی موجودگی،خلیج فارس میں غیر بلوچ مزدوروں کی مدد سے گوادر کی گہرے پانی کی بندرگاہ کی تعمیر کی کوششوں نے بلوچستان میں نسل پرستی کے جذبات کو مزید بھڑکا دیا ہے۔

پاکستانی فوج کا الزام ہے کہ بلوچ مسلح گروپ بھارت سے معاشی مدد اور اسلحہ موصول کر رہے ہیں۔[14] گوایک طرف بھارت مسلسل ان الزامات کی تردید کر رہا ہے۔ دوسری طرف پاکستانی حکام کا کہنا ہے کہ بلوچستان میں عدم استحکام پیدا کرنے میں بھارت کا کردار پاکستانی مفادات پر ہونے والے حملوں کے پیمانے اور مہارت، پکڑے جانے والے جنگجوؤں کے بیانات اور ماضی میں علیحدگی کی تحریکوں کو ملنے والی ''بیرونی'' مدد جیسے شواہد سے واضح ہو جاتا ہے۔[15]

دسمبر 2010 میں پاکستان کی نو منتخب عوامی حکومت نے صوبے میں سیاسی مصالحت پیدا کرنے کے لیے ''آغاز حقوق بلوچستان پیکیج'' منظور کیا جس میں آئینی، سیاسی، انتظامی اور معاشی اصلاحات کی گئیں۔اس میں وفاق کے حصوں میں سیاسی اور معاشی محرومیوں اور ماضی میں 1973 کے آئین کی اُن دفعات جو صوبوں کو بااختیار کرتی ہیں کے نفاذ میں ناکامی کو نوٹ کیا گیا۔[16]

دوسری بہت سی باتوں کے علاوہ اس پیکیج میں وفاق کے تحت بہت سے شعبوں کو بلوچستان کی حکومت کے حوالے کیا گیا اور صوبے کے اندر بڑے منصوبوں میں صوبائی حکومت کی مرضی کو بھی شامل کیا گیا۔اس میں صوبے کی سماجی، معاشی محرومیاں کا ملک کے دوسرے صوبوں کے مقابلے ازالہ کرنے کے لیے سرکاری ملازمتوں میں بلوچوں کا تناسب بڑھانے، مقامی صنعتی آمدن میں سے صوبائی اور مقامی حکام کو زیادہ تناسب دینے اور تشدد کی وجہ سے بے گھر ہونے والے افراد کے نقصان کے ازالے کی یقین دہانی کرائی گئی۔اس میں ذخائر سے بھر پور سوئی اور کوہلو کے علاقوں میں زیر تعمیر فوجی چھاؤنی کی تعمیر بھی روک دی گئی اور اس کے علاوہ فوج کے بدلے فرنٹیر کور (FC) کو تعینات کر دیا گیا جو کہ وفاقی حکومت کی وزارت داخلہ کو جواب دہ ہے۔اس پیکیج کے تحت، بلوچستان کے وزیر اعلیٰ کے پاس فرنٹیر کور (FC) کے نفاذ قانون کارروائی کے اختیارات ہوں گے۔اس پیکیج میں لاپتہ افراد کے متعلق تحقیق اور ان تمام افراد جنہیں مقدمہ درج کیے بغیر گرفتار کیا گیا ہے کے متعلق تحقیق کا کہا گیا ہے۔[17]

12- ''پاکستان بلوچستان میں تشدد کے خاتمے میں ناکام ہے''سفی 6 جون 2010
http://sify/naws/paksitan-fails-to-curtail-violence-in-balochistan-news-international-khggOpeide.html
(22 نومبر 2010 کو حاصل کیا گیا)

13- سید طلعت حسین ''خوف کا دور''نیوز لائن، 21 اپریل 2010
http://newslinemagazine.com/2010/04/regime-of-fear. (22 نومبر 2010 کو حاصل کیا گیا)

14- سلمان مسعود،''پاکستانی جاسوسی ادارے کا سربراہ انڈیا کا دورہ کرے گا''نیو یارک ٹائمز، 28 نمو بر 2008،
http://www.nytimes.com/2008/11/29/world/asia/29pstan.html. (2 نومبر 2010 کو حاصل کیا گیا)

15- ''پاکستان کے ساتھ کیا مسئلہ ہے''امور خارجہ، 31 مارچ 2009
http://www.foreignaffairs.com/disclussions/roundtables/what-the-people-with-pakistan (22 نومبر 2010 کو حاصل کیا گیا)

16- ابتدائیہ: آغاز حقوق بلوچستان، 9 دسمبر 2010

17- آغاز حقوق بلوچستان، 9 دسمبر 2009

اس پیکیج کے تحت، پاکستان کی وفاقی حکومت نے 2010 میں بلوچستان کی حکومت کوقدرتی گیس کی آمدن کے حوالے سے واجبات کی مد میں 1ارب 20 کروڑ روپے (140 ملین امریکی ڈالر) ادا کیے اوراس کے علاوہ صوبے کے لیے 15ارب 20 کروڑ روپے کے بجٹ کا اعلان کیا جو کہ 2009 کے مقابلہ دوگنا ہے۔[18] پیکیج میں نواب اکبر بگٹی اور دوسرے بلوچ سیاسی قائدین کے قتل کی تحقیقات کے لیے ایک عدالتی تحقیق بھی قائم کی گئی ہے۔[19]

ان اصلاحات کے باوجود، بلوچ معاشرے میں حکومت کے ارادوں کے متعلق شبہات پائے جاتے ہیں۔ اہم بلوچ جماعتوں اور قائدین نے اس پیکیج کو مسترد کر دیا ہے۔ اُن کا دعویٰ ہے کہ یہ بنیادی مسائل اورصوبے کی خودمختاری جیسے مسائل کا حل پیش نہیں کرتا۔[20] بہت سوں نے پاکستان سے مکمل علیحدگی کا مطالبہ جاری کر رکھا ہے۔[21] تاہم بلوچ قوم پرستوں میں بہت سی گروہ بندیاں ہیں۔ اور یہ واضح نہیں ہے کہ اب بلوچ قوم پرستوں کا مسلح گروپوں پر کتنا اثر ورسوخ ہے۔[22]

بلوچ قوم پرستوں کے درمیان گروہ بندی نے صوبے میں لاقانونیت اور تشدد کو مزید فروغ دیا ہے۔ 2010 میں خاص طور پر کوئٹہ میں جنگجوؤں نے فرقہ وارانہ اورنسل پرستی کی بنیاد پر ٹارگٹ کلنگ تیز کر دی۔[23] اس کے علاوہ انہوں نے گیس پائپ لائنوں، ریلوے لائنوں اوربجلی کے نظام اورحکومتی عمارات بشمول سکولوں کا نشانہ بنانے کا سلسلہ جاری رکھا۔[24]

صوبے میں عام شہریوں کے خلاف تشدد میں تین اہم گروپ ملوث ہیں (۱) مسلح بلوچ قوم پرست جو کہ بلوچستان کی علیحدگی یا خودمختاری کے لیے لڑ رہے ہیں۔ یہ پنجابیوں یا دوسری اقلیتوں کو نشانہ بناتے ہیں (۲) مسلح سنی مسلمان گروپ جو کہ شیعہ اقلیت کو نشانہ بناتے ہیں اور (۳) مسلح اسلامی گروپ جو کہ ہر اُس شخص کو نشانہ بناتے ہیں جو اسلام کی تشریح اُن کی تشریح سے مختلف کرتا ہے۔[25]

بلوچ آزاد فوج (BLA) اور بلوچ آزاد متحدہ محاذ (BLUF) نے صوبے میں ہونے والی زیادہ تر شہریوں بشمول اساتذہ اور دوسرے اہل علم افراد کی ہلاکت اور سکولوں پر حملے کی ذمہ داری قبول کی ہے۔ وہ ان حملوں کی وضاحت ریاست کے خلاف غم و غصے اورحفاظتی اداروں کی طرف سے بلوچ معاشرے پر ڈھائے گئے مظالم کے خلاف بلوچ قوم کے جواب کے طور پر کرتے ہیں۔

اسی تشدد میں بلوچستان کے حقوق سے محرومی کے احساس اورحکومتی نظم ونسق کے دیرینہ مسائل نے اور پاکستانی فوج اور بلوچ مسلح

18- ناصر جمال اور سلیم شاہد ''بلوچستان کے لیے 152 بلین کا بجٹ'' ڈان 22 جون 2010

19- راجہ اصغر'' حکومت کی بلوچستان کے لیے اولائیو برانچ کی پیشکش'' ڈان 25 نومبر 2009

20- مرتضیٰ علی شاہ، ''بلوچ قوم پرستوں کا پیکیج سے انکار'' دی نیوز انٹیرنیشل 25 نومبر 2009

21- ساجد حسین: اٹھارہویں ترمیم بلوچ قوم پرستوں کو خوش کرنے میں ناکام'' دی نیوز آن سنڈے، 11 اپریل 2010
سید طلعت حسین، ''خوف کا دور'' نیوز لائن 2 اپریل 2010

22- سید طلعت حسین، ''خوف کا دور'' نیوز لائن

23- ایضاً

24- ''پاکستان بلوچستان میں تشدد روکنے میں ناکام ہے'' سفی، 6 جولائی 2010

25- شہری علاقوں کی بڑی ابادی اُن لوگوں کی ہے جو یہاں 1930 یا آزادی کے وقت 1949 میں آباد ہوئے۔تشدد کرنے والے ان آباد ہونے والوں اور ماضی قریب میں آباد ہونے والوں میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ پرانے شہری علاقوں (کوئٹہ، لورالاء، ژوب، سبی) میں زیادہ تر مہاجرین آباد ہیں۔ جس میں پختون اور کوئٹہ کی ہزارہ کمیونٹی شامل ہے، جبکہ زیادہ تر بلوچ دیہات یا قصبوں میں آباد ہیں۔

گروہوں کے درمیان فاصلے اور بھی بڑھا دیے ہیں۔ قبائلی نظام اور صدیوں پرانے سماجی ڈھانچے کی وجہ سے ان مسائل میں تلخ شدت پیدا ہوگئی۔ قبائلی سردار کے نظام انصاف اور پولیس پر اثر ورسوخ کی وجہ سے شہری بنیادی انسانی حقوق سے محروم ہیں۔

تنازعے حل کرنے کے روایتی نظام اور انصاف کے دوسرے طریقوں تک رسائی نہ ہونے کی وجہ سے غریب اور محروم طبقات، خاص طور پر عورتیں زیادہ متاثر ہوتی ہیں۔ ان طبقات کے پاس وسائل اور مواقع بہت کم ہیں اور اپنی حفاظت کا کوئی نظام نہیں اور وہ ایسی رسوم میں جکڑے ہوئے ہیں جو فلاحی بہبود کو ناممکن بنا دیتی ہیں۔[26] اس بات کے بہت سے شواہد ہیں کہ ریاستی قانون نافذ کرنے والے اداروں اور مقامی با اثر افراد کمزور طبقوں کے خلاف جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ مزدوروں کے حالات بدترین ہیں اور ایک دیوانی اور فوجداری ضابطہ کے باوجود انصاف کا کوئی ایک نظام نہیں ہے۔ جرگے اور دوسرے غیر روایتی طریقوں کے بکثرت استعمال سے انصاف کا حصول اور بھی مشکل ہو جاتا ہے اور جو انصاف مل رہا ہے اُس میں بہت سی خامیاں ہیں۔

بڑھتے ہوئے تشدد نے عوامی حفاظت کے کمزور نظام کو پہلے سے بھی زیادہ کمزور کر دیا ہے۔ منظم پولیس فورس صوبے کے صرف ایک چھوٹے سے حصے پر کام کر رہی ہے (جو کہ صوبے کے زمینی رقبے کا صرف 4 فیصد) جبکہ باقی حصے میں قبائلی کارندوں پر مشتمل فورس ہوتی ہے جسے لیویز (Levies) کہا جاتا ہے۔[27]

جیسے جیسے بلوچستان میں تشدد بڑھ رہا ہے۔ ہلاکتیں بھی بڑھ رہی ہیں۔ پاکستانی فوج اور بلوچ مسلح گروپ اپنے اپنے سیاسی مقاصد کے لیے بلوچستان کے عام شہریوں کی زندگیوں سے کھیل رہے ہیں اور یہ لوگ اُن کے غموں کا مداوا یا امن کی ذمہ داری قبول کرنے سے بھی قاصر ہیں۔

بلوچستان کا تعلیمی نظام

بلوچستان کی نوجوان نسل اور بچوں کی اکثریت کے لیے تعلیمی مواقع خوفناک حد تک کم ہیں۔

- صوبے میں سکول کی ہر سطح پر داخلے کی شرح پورے ملک میں سب سے کم ہے: پرائمری سکول کی سطح پر، (6 سے 10 سال کی عمر) لڑکوں کی 58 فیصد اور لڑکیوں کی 48 فیصد;
- مڈل سکول میں (11 سے 13 سال کی عمر) لڑکوں میں 27 فیصد اور لڑکیوں میں 17 فیصد;
- میٹرک کی سطح پر (14 سے 15 کی عمر) لڑکوں میں 15 فیصد اور لڑکیوں میں 8 فیصد[28]

26- عورتوں اور لڑکیوں پر تشدد بشمول جنسی تشدد اور گھریلو تشدد اور زبردستی کی شادی بہت ہی سنجیدہ مسائل ہیں۔ 2008 میں پانچ عورتوں کو ان کے اپنے ہی قبیلے کے لوگوں نے گولی مار کر زندہ دفن کر دیا گیا کیونکہ ان میں سے تین نے گھر والوں کی مرضی سے شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اسرار اللہ زہری، صوبہ بلوچستان کے ایک سینیٹر نے اس واقعے کو ''قبائلی رواج'' کا نام دے کر کھلے عام اس کی حمایت کی۔ 2006 میں ایک قانون ساز حضر خان بجرانی نے ایک قبائلی جرگے کی صدارت کی جس میں ایک جھگڑے کے ازالے کے طور پر 5 لڑکیوں جو کہ 6 سال سے کم عمر تھیں مخالف گروہ کے حوالے کرنے کا حکم دیا گیا۔ ہیومن رائٹس واچ، ورلڈ رپورٹ 2009 (نیویارک) پاکستان باب

27- ایشیائی ترقیاتی بینک، ''پاکستانی صدر کے نام رپورٹ اور سفارشات: بلوچستان ذرائع بارے انتظامی منصوبہ'' 2004

پاکستانی حکومت لیویز، نیم پولیس فورس، فرنٹیر کانسٹیبلری اور فرنٹیر کور میں بھرتی مقامی آبادی سے کرتی ہے۔ فرنٹیر کور وفاقی نیم فوجی دستہ ہے جو کہ پورا کا پورا صوبے کے شمال کی پشتون آبادی پر مشتمل ہے۔ حالانکہ یہ وزارت داخلہ کے ماتحت ہے لیکن اس کی کمان پاکستانی فوج کے افسر کرتے ہیں۔ ۔27

28- داخلے کی شرح پرائمری سطح (1 سے 5 جماعت) پر 6 سے 10 سال کی عمر کے بچوں کی تعداد کو 6 سے 10 سال کی عمر کے بچوں کی مکمل تعداد سے تقسیم کریں اور اس کو 100 سے ضرب دیں۔ پاکستان وفاقی ادارہ برائے شماریات۔ پاکستان کی سماجی زندگی اور حالات زندگی کے معیار کی پیمائش کا سروے 2007-2008

صوبے کی 10 سے 8 سال کی عمر کی آبادی کا تقریباً آدھا حصہ جو سکول میں داخل ہوتا ہے وہ پرائمری سطح کی تعلیم مکمل کرنے سے پہلے ہی چھوڑ جاتا ہے۔ حکومت پاکستان کے سروے سے حاصل ہونے والی معلومات کے مطابق 10 سے 18 سال کی ان لڑکیوں میں سے جو کبھی سکول نہیں گئیں، 42 فیصد اس وجہ سے کہ ان کے ماں باپ اعتراض کرتے ہیں جبکہ 21 فیصد کو گھر پر کام کاج کرنا ہوتا ہے۔[29]

بلوچستان کی 10 سال سے زائد عمر کی آبادی کا صرف 32 فیصد پرائمری سطح کی تعلیم مکمل کرتا ہے جو کہ قومی شرح 47 فیصد کے مقابلے میں سب سے کم ہے۔ 10 سال سے زائد عمر والوں کی آبادی کا صرف 42 فیصد سکول جاتا ہے۔ بلوچستان کے دیہی علاقوں میں 10 سال سے زائد عمر کی لڑکیوں میں سے صرف 10 فیصد پرائمری تعلیم مکمل کرتی ہیں۔[30]

مجموعی طور پر بلوچستان میں 10 سال سے زائد عمر کے صرف 46 فیصد افراد ایسے ہیں جو اخبار پڑھ سکتے ہیں یا سادہ خط لکھ سکتے ہیں; جبکہ صرف 23 فیصد خواتین ایسا کر سکتی ہیں۔ ملک کے قومی اوسط 56 فیصد کے مقابلے میں یہ سب سے کم شرح ہے۔[31]

بلوچستان میں تعلیم کی سہولیات بھی ملک میں سب سے ناقص ہیں۔ صوبے میں ایسے سکولوں کی شرح سب سے زیادہ ہے جن کو "کافی مرمت" کی ضرورت ہے (36 فیصد جبکہ قومی اوسط 11 فیصد) یا جن کو "خطرناک حالت" (12 فیصد جبکہ قومی اوسط 11 فیصد) میں قرار دیا گیا ہے۔ صرف 15 فیصد پرائمری سکول "اطمینان بخش حالت" میں ہیں (جبکہ قومی اوسط 36 فیصد ہے)[32]

بلوچستان کے پرائمری سکولوں میں 4 فیصد ایسے ہیں جہاں عمارت ہی نہیں ہے۔ 81 فیصد کے پاس بجلی نہیں ہے۔ 34 فیصد کے پاس پینے کا پانی نہیں، 72 فیصد میں بیت الخلاء نہیں اور 66 فیصد میں بیرونی دیوار نہیں ہے[33]

مندرجہ بالا سہولیات کی موجودگی سے داخلے کی شرح میں اضافہ ہوتا ہے اور بچوں کو سکول میں رہنے اور ان کی حفاظت میں مدد ملتی ہے۔
صوبائی حکومت کے ایک اعلیٰ عہدیدار نے ہیومن رائٹس واچ کو بتایا۔ "ادارتی طور پر تعلیم ایک یتیم ادارہ ہے اِس لیے تعلیمی ادارے ایک کھلا نشانہ ہیں، ان پر حملہ کرنا آسان ہے۔ (صوبائی) محکمہ تعلیم میں قیادت کا فقدان ہے۔ یہ بدعنوانی اور بدانتظامی میں پھنسا ہوا ہے۔ یہ تو اپنا سالانہ بجٹ بھی پورا استعمال کرنے کے قابل نہیں ہے۔"[34]

مثال کے طور پر 2008 میں حکومت بلوچستان کے لیے 2007 اور 2008 میں تعلیمی اصلاحات کی مد میں 21 کروڑ 40 لاکھ روپے مختص ہوئے۔ جو خاص طور پر اساتذہ کی تربیت، فرنیچر اور سائنس تجربہ گاہ کے قیام اور سامان کے لیے تھے۔ لیکن یہ رقم صوبائی حکومت کی نااہلی کی بنا پر استعمال ہی نہ کی جاسکی۔ یہ رقم مجموعی رقم کا 28 فیصد تھی اور یہ ضلعی حکومت اور خود صوبائی حکومت کی درخواست پر دی گئی تھی۔[35]

29- پاکستان کی سماجی اور حالات زندگی کے معیار کی پیائش کا سروے 2007-2008
30- پاکستان وفاقی ادارہ برائے شماریات، "پاکستان کی سماجی زندگی اور حالات زندگی کے معیار کی پیائش کا سروے 2007-2008ء
31- ایضاً
32- اکادمی برائے تعلیمی منصوبہ بندی اور انتظام سے شمار کیے گئے۔ "پاکستانی تعلیم کے اعداد و شمار 2007 تا 2008" 2009
صوبہ سرحد میں 20 فیصد سکول ایسے ہیں جو "خطرناک حالت" میں ہیں جبکہ صرف 19 فیصد ایسے ہیں جن کو مرمت کی ضرورت ہے۔
33- "اکادمی برائے تعلیمی منصوبہ بندی اور انتظام" سے شمار کیے گئے "پاکستانی تعلیم کے اعداد و شمار" 2007 تا 2008" 2009
34- ہیومن رائٹس واچ کا صوبائی حکومت کے عہدیدار اقبال "کے" سے انٹرویو کوئٹہ موسم بہار 2010
35- شمیم بانو، "رپورٹ ظاہر کرتی ہے صوبائی حکومت تعلیمی اصلاحات پر رقم خرچ کرنے میں ناکام رہی" دی نیوز (اسلام آباد) 14 اپریل 2008

ایک مقامی ماہرتعلیم نے مسئلے کو یوں بیان کیا۔

''(یہاں بلوچستان میں) تعلیم کبھی بھی ترجیح نہیں رہی۔محکمہ تعلیم کے لوگوں میں صلاحیت نہ ہونا ایک پرانا مسئلہ ہے۔اس کے علاوہ بدعنوانی اور بدانتظامی بھی ہے جو کہ محکمہ تعلیم کا خاصہ ہے۔عدم تحفظ نے اس سب کو اور بھی مشکل بنادیا ہے''۔

معاشرتی طور پر لوگوں میں تعلیم کی لگن بہت ہے۔اگر صوبائی اور وفاقی سطح پر تعلیم پر خرچ کیا جائے تو لوگوں کی طرف سے تو بہت مثبت جواب ہوگا جیسا کہ میں نے پہلے کہا لوگوں میں لگن ہے۔لیکن موجودہ نظام معاشرے کی توقعات پر پورا اترنے میں ناکام ہے۔یہ نظام بہت کمزور ہے، وسائل سے محروم ہے، پرانا اور فرسودہ ہے۔اس کے دیرپا منفی اثرات مرتب ہوں گے''[36]

تعلیم پر کام کرنے والے ایک اعلیٰ سرکاری ملازم نے اس کی اس طرح وضاحت کی۔''حالانکہ ٹارگٹ کلنگ کا نفاذ پنجابی بنتے ہیں لیکن یہ تو مقامی خاص طور پر بلوچ ہیں جو متاثر ہوتے ہیں کیونکہ مقامی ہونے کی وجہ سے یہ انہی کے بچے ہیں جن کی تعلیم متاثر ہوگی اور اس کے صوبے پر بہت بُرے اثرات پڑیں گے''۔[37]

36- ہیومن رائٹس واچ کا ماہرتعلیم زاہدالیس سے انٹرویو، کوئٹہ موسم بہار 2010۔

37- ہیومن رائٹس واچ کا سینئر ماہرتعلیم، سلیم M سے انٹرویو، کوئٹہ موسم بہار 2010۔

V-اساتذہ اور دیگر تعلیمی عملے کا قتل

جنوری 2008 اور اپریل 2010 کے درمیان، تقریباً 160 غیر بلوچ افراد کا قتل کیا گیا جسے حکومت نے ''ٹارگٹ کلنگ'' قرار دیا ہے......جس کا مطلب یہ ہے کہ حملہ آور بلاتفریق یا بے ربطی سے حملہ کرنے کی بجائے اپنے ہدف کا خصوصی طور پر انتخاب کرتے ہیں۔ صوبائی حکومت کے انہی اعداد و شمار کے مطابق مذکورہ بالا عرصے کے دوران ایسے ہی حملوں کے باعث کم از کم 220 یا اس سے زائد افراد زخمی ہوئے ہیں۔ ایک اعلیٰ سرکاری افسر کے مطابق اسی عرصے میں مشتبہ جنگجوؤں نے 124 پولیس اہلکار اور فرنٹیئر کور کے 101 اہلکار ہلاک کیے۔[38]

نشانہ بننے والوں کی اکثریت پنجابیوں پر مشتمل ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان پر ہونے والے حملوں کے پیچھے بلوچ شدت پسندوں کا ہاتھ تھا۔ شیعہ اقلیت بشمول ہزارہ قبیلے سے تعلق رکھنے والے شیعوں کے فرقہ وارانہ قتل کا ذمہ دار شدت پسند سُنّی گروہوں کو سمجھا جاتا ہے۔ جنوری 2008 اور اپریل 2010 کے دوران، مشتبہ فرقہ وارانہ حملوں کے نتیجے میں کم از کم 76 افراد ہلاک اور 62 زخمی ہوئے۔[39]

نشانہ بننے اور ہلاک ہونے والوں میں کم از کم 22 افراد اساتذہ اور دیگر تعلیمی عملے پر مشتمل ہیں۔ سب سے اہم قتل صوبائی وزیر تعلیم، شفیق احمد کی ہے، جو اکتوبر 2009 میں ہوا اور جس کی ذمہ داری بلوچ آزاد متحدہ محاذ (BLUF) نے قبول کی۔ یونیورسٹی پروفیسرز اور ابتدائی تعلیم کے سکول ٹیچرز کو بھی حملوں کا نشانہ بنایا گیا۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق، جنوری 2008 اور اپریل 2010 کے دوران ٹارگٹ کلنگ کے باعث مرنے والوں میں 11 اور زخمیوں میں 4 افراد ٹیچرز تھے۔ تاہم، ہیومن رائٹس واچ کی جانب سے کیے گئے سروے اور ہماری فیلڈ میں کی گئی تحقیقات کے مطابق جنوری 2008 اور 2010 کے دوران تعلیمی عملے سے تعلق رکھنے والے کم از کم 22 افراد ہلاک ہوئے۔

قتل کرنے کے مقاصد

مسلح شدت پسند کئی وجوہات کے باعث لوگوں کو نشانہ بناتے ہیں اور ہر ہلاکت کے مقاصد کو الگ کرنا ہمیشہ ممکن نہیں ہوتا۔

نسلی پنجابی، شیعہ، اساتذہ اور دیگر تعلیمی عملہ خصوصی طور پر خطرے کی حالت میں ہے۔ کئی مواقعوں پر سُنے جانے والے زبان زد عام جملہ استعمال کرتے ہوئے ایک استاد نے ہیومن رائٹس واچ کو بتایا: ''ایک بار جب آپ نوآباد کار ہیں تو ہمیشہ نوآباد کار ہی رہیں گے۔ اس چیز کی کوئی اہمیت نہیں کہ آپ کتنا طویل عرصہ سے صوبے میں ہیں...... 10، 50 یا 100 برس تک۔ آپ کو پھر بھی مقامی تصور نہیں کیا جائے گا''۔[40]

شدت پسندوں کے تشدد کے متعلق اپنے ذاتی خدشات کا اظہار کرتے ہوئے، ایک اور استاد نے ہیومن رائٹس واچ کو بتایا:

> ہمارے لیے یہ صرف لسانی مسئلہ نہیں ہے...... یہ فرقہ وارانہ بھی ہے......جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ کچھ عرصہ سے بلوچ علاقوں میں شیعوں کے خلاف طالبان طرز کی بنیاد پرستی پھیل رہی ہے۔ گزشتہ چار یا پانچ برسوں کے

38- ہیومن رائٹس واچ کا اعلیٰ صوبائی افسر، اقبال سے انٹرویو، کوئٹہ، موسمِ بہار 2010

39- ایضاً

40- ہیومن رائٹس واچ کا ٹیچر، اکبر ڈی سے انٹرویو، کوئٹہ، موسم بہار 2010

دوران متعدد شیعوں کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ میری ذات میں نشانہ بننے کے لیے مطلوبہ تمام خصوصیات شامل ہیں:
استاد، شیعہ اور نو آباد کار۔41

شدت پسند بلوچ قوم پرست گروہ اساتذہ کی وسیع پیانے پر ہونے والی ٹارگٹ کلنگ کے ذمہ دار نظر آتے ہیں۔

بلوچ ریپبلکن پارٹی کے سربراہ اور گوریلا کمانڈر، براہمداغ بگٹی نے ایک پاکستانی صحافی کے سامنے پنجابی اساتذہ کی ٹارگٹ کلنگ کو جائز قرار دیا اور اسے پاکستانی افواج کے مظالم کا ردِّعمل قرار دیتے ہوئے کہا:

> جہاں تک اساتذہ کی ٹارگٹ کلنگ کا تعلق ہے، مجھے یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ جب ایک پنجابی استاد یا حجام قتل ہوتا ہے تو صرف اُس وقت ہی پاکستانی حکام اور میڈیا کیوں شور مچاتا ہے۔ اُس وقت ایک لفظ بھی کیوں نہیں ادا کیا جاتا جب پاکستانی انتظامیہ بلوچوں کے قصبوں پر بمباری کرتی ہے۔ میں نے بارہا کہا ہے: ٹارگٹ کلنگ پنجابی (پاکستانی) فوج کی پالیسیوں کے خلاف بلوچوں کا جائز ردِّعمل ہے۔
>
> میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ ٹارگٹ کلنگ ایک عمل کا ردِّعمل ہیں۔ اگر ایک پنجابی کا قتل ہوتا ہے تو سکیورٹی فورسز اس کے بدلے میں مزید ایک سو بلوچوں کو ہلاک کرتی ہیں۔ حکام بالا نے بلوچ قبائلیوں کے گھروں، بکریوں اور بھیڑوں پر ہیلی کاپٹروں اور جیٹ طیاروں کے ذریعے بمباری کر کے اُن کے تمام ذرائع معاش کو تباہ کر دیا ہے۔ ہمارے پاس دیگر کونسے راستے بچے ہیں؟ ہمیں ردِّعمل کا مظاہرہ کیوں نہیں کرنا چاہیے؟42

جنوری 2008 سے اکتوبر 2010 تک قتل ہونے والا تعلیمی عملہ

اخبارات میں شائع اطلاعات پر ہیومن رائٹس واچ کی جانب سے کیے گئے ایک سروے اور ہماری اپنی فیلڈ میں کی جانے والی تحقیقات ظاہر کرتی ہیں کہ جنوری 2008 سے اکتوبر 2010 تک تعلیمی شعبے سے تعلق رکھنے والے کم از کم 22 ملازمین کو ہلاک کیا گیا۔ اس سروے میں تعلیمی شعبے کا ہر وہ اہلکار شامل ہے جو اِس دوران ہلاک کیا گیا ہے چاہے اطلاعات سے یہ معلوم نہ ہو کہ مجرم کون تھا یا اس قتل کے پیچھے مقاصد کیا تھے؟ قتل کا حتمی مقصد جو بھی ہو ایسے حملے معلمین پر شدید اثرات مرتب کرتے ہیں اور نتیجتاً صوبے کے بچوں اور نوجوانوں کو معیاری تعلیم کی فراہمی پر منفی اثرات پڑتے ہیں۔

بلوچستان میں امن و امان کی ابتر صورت حال کے باعث ہیومن رائٹس واچ ہر حملے کی فرداً فرداً تحقیقات نہیں کر سکا۔ البتہ، جہاں ہم

41- ہیومن رائٹس واچ کا استاد محبوب سے انٹرویو، مقام خفیہ، موسم بہار 2010ء

42- بلوچستان ریپبلکن پارٹی کے سربراہ، نوابزادہ براہمداغ بگٹی نے ملک سراج اکبر کو بتایا، ''اگر میں بلوچ تحریک پر مصالحت کروں گا تو میرے پیروکار مجھے قتل کریں گے، میری جگہ کسی اور کو سربراہ بنائیں گے اور مجھے بھول جائیں گے''۔ 11 ستمبر 2009ء، http://gnscmissing.wordpress.com/2009/09/10/if-i-compromise-on-block-movement-my-followers-will-kill-replace-and-forget-me-says-bramdagh-bughti (7 اگست 2010 کو حاصل کیا گیا)

خاندان کے ارا کین، قریبی دوستوں اور عینی شاہدین کی نشاندہی کرنے اور اُن کا انٹرویو کرنے کے قابل ہوئے تو اُن کے بیانات اخبارات میں شائع ہونے والی اطلاعات سے ملتے جلتے تھے۔ انٹرویو دینے والوں کے سیکیورٹی خدشات کو مدّنظر رکھتے ہوئے، ہم وہ تمام معاملات ظاہر نہیں کر سکتے جن کی تصدیق انٹرویوز کے ذریعے ہوئی ہے۔

امن وامان سے متعلق عوامل جن کے باعث ہیومن رائٹس واچ کا تحقیقاتی عمل محدود ہوا ہے صحافیوں کی طرف سے ہلاکتوں کو مکمل طور پر قلمبند کرنے کی استعداد پر بھی اثر انداز ہوں گے۔ نتیجے کے طور پر مقتولین اساتذہ کی درج ذیل فہرست کے مکمل ہونے کے امکانات معدم ہیں، بالخصوص شہری علاقوں سے باہر کے واقعات جن تک رسائی نہایت مشکل ہے۔ ذیل میں تاریخ کے لحاظ سے اُلٹی ترتیب کے ساتھ واقعات کا ذکر کیا گیا ہے۔

عبدل جلیل

25 مئی 2010 کو ایک ریٹائرڈ استاد عبدل جلیل کو موٹر سائیکل پر سوار نامعلوم افراد نے اس وقت گولیوں کا نشانہ بنایا جب وہ مستونگ میں بینک سے پنشن کی رقم وصول کر کے آ رہے تھے۔ ایک آٹھ سالہ لڑکا، جس کے بارے میں یقین سے کہا جاتا ہے کہ وہ قریب کھڑا تھا بھی حملے کی زد میں آ کر ہلاک ہو گیا۔[43]

چوہدری اشفاق

24 مئی 2010 کو ٹیکنیکل ٹریننگ سنٹر کے نائب پرنسپل چوہدری اشفاق اپنے گھر جا رہے تھے جب ضلع لسبیلہ، حب ٹاؤن میں آر سی ڈی (RCD) شاہراہ پر اُن کی گاڑی کو روکا گیا۔ نامعلوم حملہ آوروں نے کار پر گولیوں کی بوچھاڑ کر کے اشفاق کو ہلاک کر دیا۔[44]

سید ولی

8 مئی 2010 کو کوئٹہ کے زرعی کالج کا ایک لیکچرار سید ولی شہر کی رحیم کالونی میں واقع اپنے گھر میں مردہ حالت میں پایا گیا۔ مقامی پولیس کا کہنا تھا کہ اسے مارا پیٹا گیا اور متعدد گولیوں کا نشانہ بنایا گیا تھا۔[45]

عبدالقدیر محمد شاہی

5 مئی 2010 کو مستونگ میں موٹر سائیکل پر سوار نامعلوم افراد نے فائرنگ کر کے ٹیچر عبدالقدیر محمد شاہی کو ہلاک کر دیا۔ پولیس نے

43- باری بلوچ، ''مستونگ میں استاد کا قتل''، دی نیشن، مئی 26، 2010; ''مستونگ میں ایک ریٹائرڈ ٹیچر سمیت دو افراد کا قتل''، بلوچ حال نیوز، مئی 25، 2010; ''مستونگ ٹارگٹ کلنگ میں استاد کی ہلاکت''، روزنامہ پاکستان، مئی 26، 2010، مقامی پولیس نے بیان دیا کہ اُنہیں یقین ہے کہ جلیل کی ہلاکت ٹارگٹ کلنگ تھی۔

44- ''حب میں ٹی ٹی سی کے وائس پرنسپل کا قتل'' بلوچ حال نیوز، مئی 24، 2010ء; ''حب میں ایک اور ماہر تعلیم کا قتل'' دی نیشن، مئی 25، 2010ء; مقامی پولیس کا کہنا تھا کہ انہیں یقین ہے کہ یہ ٹارگٹ کلنگ تھی۔

45- ''زرعی کالج کوئٹہ کا لیکچرار قتل ہو گیا''۔ Dawn.com، مئی 8، 2010۔

مقامی میڈیا کو بتایا کہ مقتول شیعہ مسلک سے تعلق رکھتا تھا اور یہ ایک فرقہ وارانہ قتل ہوسکتا ہے۔[46]

ناظمہ طالب

27 اپریل 2010 کو موٹر سائیکل پر سوار دو نقاب پوش افراد نے فائرنگ کر کے بلوچستان یونیورسٹی کی اسسٹنٹ پروفیسر ناظمہ طالب کو اس وقت ہلاک کر دیا جب وہ یونیورسٹی سے نکل کر ایک رکشہ (موٹر سائیکل ٹیکسی) میں سوار ہو کر کوئٹہ میں سریاب روڈ پر جا رہی تھی۔ مقتولہ کے سوگ میں تین دن تک یونیورسٹی بند رہی۔[47]

میڈیا کی اطلاعات کے مطابق بلوچ آزاد فوج (BLA) نے حملے کی ذمہ داری قبول کی اسے کوئٹہ اور پسنی میں دو بلوچ خواتین کے قتل اور مند اور تمب میں خواتین اور سیاسی کارکنان پر ہونے والے تشدد کا بدلہ قرار دیا۔[48]

نذر احمد

27 اپریل، 2010 کو ضلع خضدار کے علاقہ مشکے میں ایک نامعلوم شخص نے سکول ٹیچر نذر احمد پر فائرنگ کی۔ وہ موقع پر ہی ہلاک ہو گیا۔[49]

فضل باری

کوئٹہ میں قائم تعمیر نو ہائی سکول کے پرنسپل فضل باری 22 مارچ 2010 کو سکول جا رہے تھے کہ موٹر سائیکل پر سوار مسلح افراد نے اُن کی کار پر فائرنگ کر دی جس کے نتیجے میں وہ ہلاک اور اُن کا ڈرائیور زخمی ہو گیا۔ بلوچ آزاد فوج (BLA) نے اِس قتل کی ذمہ داری قبول کی۔[50]

باری کی نعش سول ہسپتال کوئٹہ لائی گئی۔ اُس کے سکول کے متعدد طلباء، ہسپتال کے باہر جمع ہو گئے اور انہوں نے اپنے استاد کی موت اور انہیں تحفظ فراہم کرنے کے سلسلے میں حکومتی ناکامی کے خلاف احتجاج کرنا شروع کر دیا۔ پولیس نے طلباء کو منتشر کرنے کے لیے آنسو گیس پھینکا اور

46- ''سکول ٹیچر کو گولیاں مار کر ہلاک کر دیا گیا''، دی نیشن، 6 مئی 2010؛ ''مستونگ میں فائرنگ کے نتیجے میں سکول ٹیچر ہلاک ہو گیا''، ایشیا پلس، 5 مئی، 2010۔

47- سلیم شاہد، ''بلوچ آزاد فوج نے کوئٹہ میں پروفیسر کے قتل کی ذمہ داری قبول کر لی'' Dawn.com، 28 اپریل 2010ء محمد ظفر، ''کوئٹہ میں یونیورسٹی کی خاتون ٹیچر کو فائرنگ کر کے مار دیا گیا''۔ روزنامہ پاکستان، 28 اپریل، 2010; ''پاکستان یونیورسٹی نے خاتون پروفیسر کے قتل کا سوگ منایا''، بی بی سی نیوز، اپریل 28، 2010ء ''ناظمہ طالب کی نعش کراچی روانہ کر دی گئی'' پاکستان نیوز وائیر، 28 اپریل 2010;
http://news.com/wps/wcm/connect/dawn-content-library/dawn/news/pakistan/metropolitan/03-university-professor-killed-in-act-of-target-killing-ss-03 (23 نومبر، 2010 کو حاصل کیا گیا۔)

48- سلیم شاہد، ''بلوچ آزاد فوج نے کوئٹہ میں پروفیسر کے قتل کی ذمہ داری قبول کی ہے'' Dawn.com، 28 اپریل 2010
http:/news.dawn.com/wps/wcm/connect/dawn-library/dawn/news/pakistan/metropolitan/03-university-professor-killed-in-act-of-target-killings-ss-03 (23 نومبر، 2010 کو حاصل کیا گیا)

49- ''خضدار میں سکول ٹیچر کو فائرنگ کر کے قتل کر دیا گیا'' روزنامہ ٹائمز، 27 اپریل 2010۔

50- ہیومن رائٹس واچ سے باری اور محسن ایچ کے دوست طاہر ڈبلیو کا انٹرویو، مقام خفیہ، بہار 2010۔

اُن پر لاٹھی چارج کیا۔ میڈیا کی رپورٹس کے مطابق پولیس نے تین طلباء کو حراست میں لے لیا۔[51]

اُن کی موت کے بعد سکول کی انتظامیہ کو سکول کئی دنوں تک ان کے سوگ میں بند رکھنا پڑا کیونکہ اساتذہ اور ملازمین کا مطالبہ تھا کہ حکومت اساتذہ کو تحفظ فراہم کرے۔ باری کے ایک قریبی دوست نے ہیومن رائٹس واچ کو بتایا کہ مقتول استاد کو شعبہ تدریس کے ساتھ دلی محبت تھی اور کئی عشروں سے وہ اس پیشے سے وابستہ تھا۔ وہ کوئٹہ میں قیام کرنا اور تدریسی کام جاری رکھنا چاہتا تھا۔[52]

خورشید انصاری

5 نومبر 2009 کو، موٹر سائیکل سوار حملہ آوروں نے کاسی روڈ، کوئٹہ پر بلوچستان یونیورسٹی کے شعبہ لائبریری سائنسز کے سربراہ خورشید اختر انصاری کو اُس وقت گولیاں مار کر ہلاک کر دیا، جب وہ مسجد کی طرف جا رہے تھے۔ بلوچ آزاد فوج نے ذمہ داری قبول کی۔[53]

منور مسیح اور امجد مسیح

کیڈٹ کالج مستونگ میں ملازمت کرنے والے ایک باورچی اور ایک خاکروب منور مسیح اور امجد مسیح کو 30 اکتوبر 2009 کو قتل کر دیا گیا۔ ایک مقامی پولیس آفیسر نے اخبار میں بیان دیا کہ یہ وقوعہ ٹارگٹ کلنگ کا شاخسانہ ہوسکتا ہے۔ میڈیا کی اطلاعات کے مطابق مقتولین مسیحی برادری سے تعلق رکھتے تھے۔[54]

شفیق احمد

26 اکتوبر 2009 کو موٹر سائیکل پر سوار مسلح افراد نے کوئٹہ کے رہائشی، صوبائی وزیر تعلیم شفیق احمد کو اُس وقت فائرنگ کر کے ہلاک کر دیا جب وہ اپنے گھر سے باہر تھے۔ حملے میں اُن کا ایک رشتہ دار بھی زخمی ہو گیا۔ بلوچستان آزاد متحدہ محاذ (BLUF) نے واقعے کی ذمہ داری قبول کر لی۔ حملے کے بعد صوبے کے تمام تعلیمی ادارے تین دن کے لیے بند رہے۔[55]

جاوید مہر

مستونگ میں واقع گورنمنٹ پائلٹ سیکنڈری ہائی سکول کے پرنسپل اور ڈپٹی ضلعی آفیسر محکمہ تعلیم، جاوید مہر کو 6 جولائی 2009 کو کوئٹہ روڈ

51- سلیم شاہد، ''کوئٹہ میں بلوچ آزاد فوج نے ماہر تعلیم کو قتل کر دیا'' Dawn.com، 23 مارچ
http:/news/dawn.com/wps/wcm/connect/dawn-content-library/dawn/news/pakistan/provinces/03-gunmen-kill-college-principal-in-quetta-ss-03 (23 نومبر، 2010 کو حاصل کیا گیا)

52- ہیومن رائٹس واچ کا طاہر ڈبلیو سے انٹرویو، مقام خفیہ، بہار 2010۔

53- محمد اعجاز خان، ''کوئٹہ میں پروفیسر کو فائرنگ کر کے ہلاک کر دیا گیا''، دی نیوز، 6 نومبر 2009؛ ملک سراج اکبر، ''کوئٹہ میں بلوچستان یونیورسٹی کے پروفیسر کو فائرنگ کر کے ہلاک کر دیا گیا'' روزنامہ ٹائمز، 6 نومبر 2009۔

54- ''مستونگ میں دو افراد کو فائرنگ کر کے ہلاک کر دیا گیا'' روزنامہ پاک بینکر، یکم ستمبر، 2009؛ ''مزید دو افراد ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بن گئے''، دی پاکستان نیوز وائیر، 31 اکتوبر 2009۔

55- سلیم شاہد ''بلوچستان کے وزیر تعلیم کو فائرنگ کر کے ہلاک کر دیا گیا'' Dawn.com، 26 اکتوبر 2009
http:/news/dawn.com/wps/wcm/connect/dawn-content-library/dawn/news/pakistan/provinces/06-balochistan-education-minister-shot-dead-65-02 (23 نومبر، 2010 کو حاصل کیا گیا)

پر گولیوں کا نشانہ بنایا گیا جب وہ اپنے گھر جا رہے تھے۔ اُنہیں علاج کی غرض سے کوئٹہ میں ہسپتال میں ریفر کیا گیا مگر وہ ہسپتال پہنچنے سے قبل ہی دم توڑ گئے۔ مہر جو نسلی اعتبار سے ایک پشتون تھے محکمہ تعلیم میں 37 برس سے خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ کسی نے بھی قتل کی ذمہ داری قبول نہیں کی۔[56]

انور بیگ

13 جون 2009 کو قلات میں واقع ماڈل ہائی سکول کے ایک سینئر سبجیکٹ سپیشلسٹ ٹیچر انور بیگ کو موٹر سائیکل پر سوار حملہ آوروں نے نو (9) گولیوں کا نشانہ بنا کر ہلاک کر دیا۔ مقتول اپنے سکول کی طرف جا رہا تھا۔ بیگ کا آبائی علاقہ لاہور تھا۔ بلوچ آزاد فوج (BLA) نے قتل کی ذمہ داری قبول کی۔ BLA کے ترجمان آزاد بلوچ کے مطابق بیگ کو اِس لیے ہلاک کیا گیا کیونکہ وہ سکول میں بلوچستان کا قومی ترانہ پڑھنے اور بلوچستان کا جھنڈا لہرانے کی مخالفت کرتا تھا۔ 2008 میں نامعلوم افراد نے بیگ کی رہائش گاہ پر ہینڈ گرینیڈ پھینکا تھا۔[57]

غلام سرور

24 جولائی 2009 کو کوئٹہ میں گورنمنٹ ڈگری کالج کے شعبہ کیمسٹری کے پروفیسر غلام سرور کو موٹر سائیکل پر سوار حملہ آوروں نے سریاب روڈ پر طارق ہسپتال کے قریب اُن کی رہائش گاہ کے سامنے فائرنگ کر کے قتل کر دیا۔[58]

محمد حسن

23 جولائی 2009 کو سریاب ملز میں واقع گورنمنٹ ہائی سکول کے پرنسپل، محمد حسن سکول جا رہے تھے کہ سریاب روڈ پر موٹر سائیکل پر سوار مسلح افراد نے فائرنگ کر کے اُنہیں موقع پر ہلاک کر دیا۔[59]

مرزا احمد علی بیگ

کامرس کالج کوئٹہ کے پرنسپل مرزا احمد علی بیگ 23 جون 2009 کو سکول جا رہے تھے کہ موٹر سائیکل پر سوار مسلح افراد نے اُنہیں گولیاں مار کر ہلاک کر دیا۔ بنیادی طور پر پنجاب سے تعلق رکھنے والے، بیگ 15 برس سے زائد عرصہ سے بلوچستان میں تھے۔[60]

56- ہیومن رائٹس واچ سے مقتول کے خاندان کے فرد کا انٹرویو، مقام خفیہ، بہار 2010،''بلوچستان میں ایک اور پرنسپل ٹارگٹ کلنگ کا شکار ہو گیا''، روزنامہ پاک بینکر، 7 جولائی 2009، مہر کے ورثا نے سرکاری ملازمین کے لیے طے شدہ سرکاری معاوضے کے طور پر 500,000 روپے (5,900US$) وصول کیے۔

57- پاکستان: ''قلات میں سکول ٹیچر کو قتل کر دیا گیا''، روزنامہ پاک بینکر، 14 جون، 2009;
''سکول ٹیچر کو ہلاک کر دیا گیا''، دی پاکستان نیوز وائیر، 14 جون 2009، ''سکول ٹیچر کو فائرنگ کر کے ہلاک کر دیا گیا'' دی نیوز، 14 جون، 2009، ''کوئٹہ، قلات میں دو افراد کو قتل کر دیا گیا اور تربت میں پانچ گاڑیوں کو آگ لگا دی گئی''، 14 جون 2009، Baloch.com (23 نومبر 2010 کو حاصل کیا گیا)
http://www.balochvoice.com/modules/news/article.php-storyid=

58- ''ڈگری کالج کوئٹہ کے شعبہ کیمسٹری کے پروفیسر غلام سرور کو فائرنگ کر کے ہلاک کر دیا گیا''، پی پی آئی، 24 جولائی 2009; باری بلوچ ''کوئٹہ میں ایک اور پروفیسر کو قتل کر دیا گیا''، دی نیشن، 25 جولائی 2009، پولیس نے اِسے ٹارگٹ کلنگ قرار دیا۔

59- باری بلوچ ''کوئٹہ میں ایک اور پروفیسر کو قتل کر دیا گیا'' دی نیشن، 25 جولائی 2009۔ پولیس نے اِسے ٹارگٹ کلنگ قرار دیا۔

60- ''کوئٹہ میں کامرس کالج کے پرنسپل کو بروز منگل نامعلوم مسلح افراد نے فائرنگ کر کے ہلاک کر دیا'' روزنامہ ٹائمز، 24 جون 2009

خلیل محمود بٹ

17 جون 2009 کو خضدار میں واقع بلوچستان ریذیڈنشل کالج کے نائب پرنسپل خلیل احمد بٹ کالج جا رہے تھے کہ راستے میں نامعلوم مسلح افراد نے فائرنگ کر کے انہیں ہلاک کر دیا۔[61]

عالم زہری

سراب، ضلع قلات میں واقع ڈگری کالج کے پرنسپل، عالم زہری کو RCD شاہراہ پر 29 مارچ 2009 کو گولیاں مار کر ہلاک کر دیا گیا جب وہ بس کا انتظار کر رہے تھے۔[62]

سید غلام مصطفیٰ شاہ

6 جولائی 2008 کو کوئٹہ میں اریگیشن کالونی کے نزدیک، سریاب روڈ پر ایک ریٹائرڈ سرکاری استاد سید غلام مصطفیٰ شاہ کو نامعلوم حملہ آوروں نے گولیاں مار کر ہلاک کر دیا۔ شاہ ضلع نصیر آباد کے لیے پاکستان تحریک جعفریہ کا ضلعی صدر بھی تھا۔ اس حملے میں قریب کھڑا ایک لڑکا زخمی ہو گیا۔[63]

صفدر کیانی

22 اپریل 2008 کو بلوچستان یونیورسٹی کے نائب منتظم اعلیٰ (پرو وائس چانسلر) صفدر کیانی معمول کے مطابق شام کی سیر کے لیے کوئٹہ میں سریاب روڈ پر گرین ٹاؤن میں واقع اپنے گھر سے باہر نکلے تو موٹر سائیکل پر سوار دو مسلح افراد نے گولیاں مار کر اُنہیں ہلاک کر دیا۔ بلوچ آزاد فوج (BLA) نے اِس قتل کی ذمہ داری قبول کی۔ BLA کے ترجمان بی بارغ بلوچ نے کہا کہ کیانی خفیہ ایجنسیوں کے لیے کام کرتے تھے اس لیے اُنہیں نشانہ بنایا گیا اور یہ کہ تنظیم نے کیانی کو طلباء کی سرگرمیوں میں مداخلت پر خبردار کیا تھا۔ کیانی 1979 سے بلوچستان یونیورسٹی میں تھے۔[64]

ناز بی بی

ضلع جعفر آباد کے علاقہ اوستہ محمد کی ایک سکول ٹیچر ناز بی بی کو 23 مارچ 2008 کو اُس کے سکول کے باہر نامعلوم حملہ آوروں نے

61- ''اساتذہ نے زندگی کے تحفظ کا مطالبہ کیا ہے''، بزنس ریکارڈر، 29 جون 2009; ''بی آر سی کا وائس پرنسپل قتل ہو گیا''، دی پاکستان نیوز وائیر، 18 جون 2009۔

62- ''کالج کا پرنسپل گولیاں لگنے سے ہلاک''، پاکستان پریس انٹرنیشنل، 31 مارچ 2009۔

63- ''کوئٹہ میں تحریک جعفریہ پاکستان کے رہنما کا قتل''، دی نیوز 7 جولائی، 2008۔

64- سلیم شاہد، ''کوئٹہ میں یونیورسٹی کے سب سے بڑے عہدیدار کا قتل''، Dawn.com؛ ''ڈی یو ایچ ایس کے وائس چانسلر نے بلوچستان یونیورسٹی کے وائس چانسلر کی ہلاکت پر افسوس کا اظہار کیا''، دی پاکستان نیوز وائیر 23 اپریل 2008; ''مسلح افراد نے بلوچستان یونیورسٹی کے نائب وائس چانسلر کو گولیاں مار کر ہلاک کر دیا''۔ Dawn.com، 22 اپریل 2008; ''پاکستان ٹیلی ویژن کے پروگرام میں قبائلی علاقہ جات میں ہونے والے امن معاہدات پر بحث کی گئی، یورپین یونین کے عہدیدار کا دورہ''، بی بی سی مانیٹرنگ جنوبی ایشیا 24 اپریل 2008; ''پاکستان: جنوب مغرب میں یونیورسٹی کے بڑے عہدے دار کو قتل کر دیا گیا''، اے ڈی این کرونوس انٹرنیشنل، 22 اپریل، 2008، ''پاکستان میں یونیورسٹی عہدے دار کا قتل''، دی پریس ٹرسٹ آف انڈیا، 22 اپریل 2008;

گولیوں کا نشانہ بنایا۔ وہ موقع پر ہی جاں بحق ہو گئی۔[65]

عاشق عثمان

ضلع خضدار میں واقع ڈویژنل پبلک کالج کے پرنسپل عاشق عثمان کو 7 مارچ 2008 کو گولیاں مار کر ہلاک کر دیا گیا جب وہ نماز جمعہ کی ادائیگی کر کے اپنے دو بیٹوں کے ہمراہ کار میں سوار ہو کر سول کالونی کے نزدیک اپنے گھر واپس جا رہے تھے۔ عثمان کا تعلق پنجاب سے تھا۔[66]

65- ''بلوچستان میں اُستاد کو فائرنگ کر کے قتل کر دیا گیا'' دی پریس ٹرسٹ آف انڈیا، 3 مارچ 2008۔
66- ''خضدار کالج کے پرنسپل کی ہلاکت'' روزنامہ ٹائمز، 8 مارچ 2008

VI- تعلیم کا نقصان

تعلیمی عملے پر ہونے والے حملوں کے نتیجے میں سیکڑوں استاداور پروفیسرز کواس بات پر مجبور کر دیا ہے کہ وہ یہ درخواست کریں کہ اُن کا تبادلہ بلوچستان کے اہم اضلاع خضدار، قلات، مستونگ اور کوئٹہ شہر کے علاقہ سریاب سے، کوئٹہ میں کسی اور مقام پر اور بلوچستان کے غیر بلوچ اضلاع اور پاکستان کے دیگر صوبوں میں کر دیا جائے۔

اساتذہ کے بڑے پیمانے پر تبادلوں سے طلباء کے تدریسی عمل پر شدید منفی اثرات مرتب ہوں گے۔ بعض سکولوں میں بالخصوص دیہاتی علاقوں میں عملہ کم ہو گیا ہے کیونکہ آسامیوں کو پُر کرنا نہایت مشکل ہو گیا ہے۔ ہیومن رائٹس واچ کو انٹرویو دینے والے طلباء نے تبادلہ کروانے والے اساتذہ کی جگہ تعینات ہونے والے اساتذہ کی قابلیت پر عدم اطمینان کا اظہار کیا، اگر چہ اساتذہ کی استعداد کار کے علاوہ اس کے دیگر اسباب بھی ہو سکتے ہیں۔

حتیٰ کہ جب اساتذہ اپنے تفویض شدہ قصبوں میں قیام کرتے ہیں، تب بھی بعض اپنے کام پر حاضر نہیں ہوتے اور دیگر تسلیم کرتے ہیں کہ وہ امن وامان کی مخدوش صورت حال کے باعث پیدا ہونے والی ذہنی بے چینی اور اضطراب کی وجہ سے اپنے فرائض احسن طریقے سے سرانجام نہیں دیتے۔

اساتذہ کے تبادلے ہونے کے نتائج

سرکاری اعداد وشمار کے مطابق جنوری 2008 اور اپریل 2010 کے دوران شعبہ تعلیم کے 176 ملازمین کا اندرون بلوچستان میں اور 44 کا بلوچستان سے باہر کے علاقوں میں تبادلہ ہوا۔ علاوہ ازیں تقریباً 200 اہلکاروں نے تبادلہ کروانے کی استدعا کی ہے جن پر اس رپورٹ کے تحریر ہونے کے وقت غور کیا جا رہا تھا۔[67]

صوبے کے ایک اعلیٰ سرکاری افسر نے ہیومن رائٹس واچ کو بتایا:

> میرا نہیں خیال کہ اُن تمام اساتذہ کی زندگیاں خطرے کی حالت میں ہیں جنہوں نے تبادلے کے لیے درخواست کی ہے۔ بیشتر خطرے میں ہیں، لیکن کئی ایسے بھی ہیں جنہوں نے یہ سوچ لیا ہے کہ وہ خطرے کی حالت میں ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ایک گاؤں یا محلّہ میں پائے جانے والے ایسے موجودہ حالات کے پیش نظر تبادلے کے لیے درخواست کرنا قدرتی عمل ہے۔ میرا خیال ہے کہ متعدد علاقوں میں اساتذہ پر حملے نہیں ہوئے ہیں لیکن پھر بھی اساتذہ تبادلے کے لیے استدعا کر رہے ہیں...... مثال کے طور پر، گوادر اور پنجگور میں کسی استاد پر حملہ نہیں کیا گیا۔ تبادلے کی درخواست کے پیچھے حقیقی مقصد جو بھی ہوتا ہم یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ کسی کی زندگی کو خطرے کی بنا پر پیش کی جانے والی درخواست پر غور کرے۔[68]

67- ہیومن رائٹس واچ کا کوئٹہ میں شعبہ تعلیم کے ایک سینئر سول آفیسر سلیم ایم سے انٹرویو، بہار 2010۔

68- ہیومن رائٹس واچ کا کوئٹہ میں سینئر صوبائی سرکاری آفیسر اقبال سے انٹرویو، بہار 2010۔

مقامی حکومت کے ایک اور اعلیٰ سرکاری اہلکار نے ہیومن رائٹس واچ کو بتایا۔

> ان میں سے کئی اساتذہ کو دھمکیاں دی گئیں، دیگر خوف زدہ ہیں اور حکومت انہیں ان اضلاع میں ٹھہرنے کی حوصلہ افزائی کرنے کے لیے کچھ نہیں کر سکتی، جب تبادلے کی درخواست کسی کی زندگی کو خطرے کی بنیاد پر ہو، تو ہمارے پاس ان کی درخواست کو مسترد کرنے کا کوئی عُذر نہیں ہوتا۔69

اِن کا تبادلہ کہیں بھی ہو تبادلہ کیے جانے والے اساتذہ کو مقامی طور پر یہ صوبائی محکمہ کے لیے ایک بوجھ تصور کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر، کوئٹہ میں محکمہ تعلیم کے پاس اتنی زیادہ اساتذہ کی آسامیاں نہیں ہیں کہ وہ تبادلہ کرانے والے اساتذہ کو سنبھالے۔ نتیجتاً متعدد اساتذہ کو کسی سکول میں نہیں بھیجا جاتا اور اس طرح وہ بطور اساتذہ کام نہیں کرتے۔

حتیٰ کہ بعض اساتذہ تبادلے کے سرکاری اجازت نامے کا انتظار بھی نہیں کرتے۔ ایک ٹیچر نے بتایا:

> محکمہ تعلیم سے تبادلے کا باضابطہ سرکاری اجازت نامہ لیے بغیر میں نے (وہ قصبہ جہاں میں پڑھا رہا تھا) چھوڑ دیا...... کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ اس کارروائی پر کئی ماہ لگ جائیں گے اور میں اتنا عرصہ انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ یہاں کوئٹہ میں میں نے بین الاصوبائی تبادلے (بلوچستان سے پنجاب) کے لیے درخواست دی لیکن اس کا فیصلہ نہیں ہوا کیونکہ یہ طریق عمل بہت پیچیدہ اور طویل ہے...... کئی ماہ تک میں کوئٹہ تبادلہ کروانے کے لیے دی جانے والی درخواست کی منظوری کے لیے تگ و دو کرتا رہا۔ یہ منظور ہوگئی ہے...... لیکن ابھی تک مجھے کوئی سکول تفویض نہیں کیا گیا...... بعض اوقات میری تنخواہ روک دی گئی...... اب تقریباً چار ماہ سے مجھے تنخواہ ادا نہیں کی جا رہی کیونکہ میں بغیر کسی سکول کے ہوں۔70

حالانکہ شہری علاقوں میں اساتذہ کی تعداد زائد از ضرورت ہے، مگر متاثرہ اضلاع کے سکولوں میں اساتذہ کی شدید کمی ہے۔ 2007-08ء میں صوبے کے سکولوں میں اساتذہ کی شرح صرف ایک کے مقابلے میں دو تھی حتیٰ کہ ایک استاد کے چھوڑنے کے بھی سکول پر شدید سنگین اثرات مرتب ہوتے ہیں۔71

شدید متاثرہ ضلع سے تعلق رکھنے والے ایک اعلیٰ سرکاری عہدیدار نے بتایا:

> اس وقت مسئلہ تبادلوں کا نہیں ہے بلکہ اُن کی جگہ نئی تعیناتی کرنا اصل مسئلہ ہے...... جن سکولوں کے اساتذہ کا دیگر اضلاع میں تبادلہ ہوگیا ہے وہاں عملہ کی کمی ہوگئی ہے۔ اُن سکولوں میں مسئلہ زیادہ سنگین ہے جہاں تدریسی عملہ پہلے ہی کم تھا۔ اساتذہ پر بہت زیادہ بوجھ پڑ گیا ہے...... وہ تمام جماعتوں کو نہیں پڑھا سکتے...... وہ ایسا کرتے ہیں کہ بعض جماعتوں کی نگرانی کرتے ہیں اور دیگر کو پڑھاتے ہیں...... یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ

69- ہیومن رائٹس واچ ایک تعلیمی آفیسر اسلم ایم سے انٹرویو، بہار 2010۔

70- ہیومن رائٹس واچ کا ایک استاد سے انٹرویو، بہار 2010۔

71- تعلیمی پلاننگ اور مینجمنٹ اکیڈمی سے اکٹھے کیے گئے، ''پاکستان میں تعلیم کے اعداد و شمار 2009-2008-2007''۔

ریاضی کا استاد صرف ریاضی پڑھا سکتا ہے۔ وہ جماعت میں تبادلہ کروا جانے والے استاد کی جگہ انگریزی نہیں پڑھا سکتا کیونکہ اُسے صرف ریاضی پڑھانے کی تربیت دی گئی تھی۔72

ایک ضلعی سطح کے تعلیمی آفیسر نے کہا:

> تبادلہ ہونے والوں (اساتذہ) میں سے بیشتر کو باضابطہ کوئی کام کرنے کے لیے نہیں دیا گیا...... میرا خیال ہے کہ ان میں سے کئی صرف بیٹھے ہوئے ہیں اور وقت ضائع کر رہے ہیں۔ جن سکولوں میں اساتذہ کے تبادلوں کی وجہ سے عملہ کم ہو گیا ہے، وہ کسی طرح سے کام چلانے کی جدوجہد کر رہے ہیں......اُن سکولوں میں اساتذہ کچھ وقت پڑھاتے اور کچھ وقت محض جماعت کا نظم وضبط برقرار رکھنے میں صرف کرتے ہیں...... یہ نگرانی کرنے کے مترادف ہی ہے کہ طلباء جماعت میں کیا کر رہے ہیں......بعض اوقات وہ چھوڑ کر چلے جانے والے اساتذہ کی جماعتوں کو پڑھاتے ہیں۔ کوئی باضابطہ پڑھائی نہیں ہو رہی۔73

ایک استاد جن کا کوئٹہ میں تبادلہ ہو گیا، وہ اس تبادلہ کے اپنے سابقہ سکول اور طلبا پر پڑنے والے اثرات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> جب میں نے چھوڑا (سکول) تو اُس وقت وہاں 21 اساتذہ تھے لیکن کوئی انگریزی کے لیے سبجیکٹ سپیشلسٹ نہیں تھا۔ میں انگریزی پڑھاتا تھا......اور میری معلومات کے مطابق ابھی تک اُس سکول میں انگریزی کے لیے سبجیکٹ سپیشلسٹ نہیں ہے...... چنانچہ یقیناً سکول کا نقصان ہو رہا ہے۔ وہاں لوگ ہیں......مقامی (ضلع کا نام خفیہ رکھا گیا ہے) باشعور اور ذمہ دار...... جب وہ اساتذہ کو ضلع (ضلع کا نام خفیہ رکھا گیا ہے) چھوڑتے ہوئے دیکھتے ہیں تو وہ اپنے بچوں کی تعلیم کے متعلق یقینی طور پر پریشان ہوتے ہیں۔74

شدید متاثرہ ضلع کے ایک استاد جو اپنے سکول میں تعینات لسانی لحاظ سے تمام پنجابی سٹاف کے ہمراہ تبادلے کی تیاری کر رہا ہے، اُس نے ہمیں بتایا:

> کل 10 اساتذہ سکول چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ اُن کی جگہ نئے اساتذہ کی تعیناتی بہت بڑا مسئلہ ہے۔ مجھے خدشہ ہے کہ یہ ادارہ جلد ہی کسی دن تباہ ہو جائے گا۔ یہ طلباء، اس صوبے اور پاکستان کا نقصان ہے۔ اب تک سکول تعلیم یافتہ اور تجربہ کار اساتذہ کی تلاش کے لیے تگ و دو کر رہا ہے۔ تاہم کوئی یہاں آنا نہیں چاہتا اور صوبائی انتظامیہ مقامی سٹاف بھرتی کرنے میں دلچسپی رکھتی ہے تاکہ انہیں نشانہ نہ بنایا جائے۔ کچھ مقامی تدریسی عملہ بھرتی کیا گیا ہے مگر اُن کے پاس تعلیم اور پیشہ وارانہ افراد کی کمی ہے۔75

72- ہیومن رائٹس واچ کا سرکاری آفیسر سے انٹرویو، مقام خفیہ، بہار 2010۔
73- ایک ضلعی سطح کے تعلیمی آفیسر سعد لین سے ہیومن رائٹس واچ کا انٹرویو، مقام خفیہ، بہار 2010۔
74- ہیومن رائٹس واچ کا ایک ٹیچر سے انٹرویو، کوئٹہ، بہار 2010۔
75- ہیومن رائٹس واچ کا ٹیچر محبوب سے انٹرویو، مقام خفیہ، بہار 2010

امن و امان کی صورت حال نئے تعلیم یافتہ عملہ کو متاثرہ علاقوں میں جانے سے روک رہی ہے۔ ایک اعلیٰ تعلیمی سرکاری افسر نے بتایا:

> ہم پاکستان بھر سے لیکچرارز بھرتی کرتے تھے......لیکن اب ہم بلوچستان سے بھرتی کرنے پر مجبور ہیں کیونکہ دیگر صوبوں سے کوئی بھی یہاں آنے کو رضامند نہیں اور مقامی افراد کو بھرتی کرنے کے لیے سیاسی دباؤ بھی ہے۔ یہ بہت بڑا مسئلہ ہے۔ بیشتر مقامی افراد جن کے ہم نے انگریزی مضمون کے اساتذہ کی آسامیوں کے لیے انٹرویو کیے، بمشکل انگریزی کا ایک لفظ درست طریقے سے بول سکتے ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا سمجھوتہ ہے......اس کے بلوچستان کے مستقبل پر شدید سنگین اثرات مرتب ہوں گے۔[76]

کوئٹہ کے علاوہ ایک متاثرہ ضلع سے تعلق رکھنے والے 17 سالہ طالب علم، زاہد، ایس نے ہیومن رائٹس واچ کو بتایا:

> میرے لیے سب سے بڑی تبدیلی اساتذہ کا چھوڑ کر چلے جانا ہے۔ گزشتہ دو برسوں کے دوران ہمارے متعدد اساتذہ جو یہاں برسوں سے پڑھا رہے تھے، امن و عامہ کی بدتر صورت حال کے باعث یہاں سے چلے گئے۔ میرے پسندیدہ استاد جو فزکس پڑھاتے تھے بہت عرصہ پہلے چلے گئے۔ وہ عظیم انسان تھے......وہ تجربہ کار تھے اور اپنے مصمون کے متعلق علم رکھتے تھے۔ وہ اساتذہ اور غیر مقامی افراد پر ہونے والے حملوں کی وجہ سے یہاں سے چلے گئے تھے۔[77]

ایک 16 سالہ طالب علم ظفر ایس نے بتایا:

> نئے اساتذہ اتنے اچھے نہیں ہیں جتنا کہ پہلے والے تھے۔ اولاً وہ اتنا علم نہیں رکھتے جتنا کہ دوسرے رکھتے تھے......وہ نئے ہیں اور اُن کا پڑھانے کا طریقہ کار مختلف ہے......اس سے ہمارے لیے بہت مشکل پیدا ہو گئی ہے......ہمیں غیر معمولی محنت کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور اس کے باوجود ہم اتنا نہیں سیکھ پائے جتنا پہلے سیکھتے تھے......بعض اوقات ہمارے لیے یہ سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے کہ اساتذہ ہمیں کیا پڑھانے کی کوشش کر رہے۔ امن و امان کی ابتر صورت حال کے باعث ہمارا سب سے بڑا نقصان اساتذہ کا یہاں سے چلے جانا ہے۔[78]

نتائج جب اساتذہ تبادلہ نہ کروائیں

حتیٰ کہ تعلیمی عملہ جو اپنے دیہاتوں میں رہتا ہے، اگر اُنہیں دھمکیاں ملیں تو وہ بحیثیت استاد مؤثر اساتذہ ثابت نہیں ہوتے۔ بلوچستان کے وزیر تعلیم، طاہر محمود خان (سابقہ وزیر تعلیم شفیق احمد کے بھائی جنہیں اکتوبر 2009 میں قتل کر دیا گیا تھا) کے مطابق ''یہ تلخ حقیقت ہے کہ متعدد

76- ہیومن رائٹس واچ کا ایک سینئر سول اہلکار سلیم، ایچ کا انٹرویو، کوئٹہ، بہار 2010

77- ہیومن رائٹس واچ کا ایک 17 سالہ طالب علم زاہد۔ ایس کا انٹرویو، مقام خفیہ، بہار 2010

78- ہیومن رائٹس واچ کا 16 سالہ طالب علم ظفر۔ ایس سے انٹرویو، مقام خفیہ، بہار 2010

سکول بند پڑے ہیں کیونکہ ٹارگٹ کلنگ کے واقعات سے خوفزدہ ہوکر اساتذہ نے خود کو اپنے گھروں میں بند کرلیا ہے''۔79

شدید متاثرہ ضلع سے تعلق رکھنے والے ایک اعلیٰ سرکاری افسر نے ہمیں بتایا''بنیادی طور پر مرد اساتذہ کو عدم تحفظ کے مسائل کا سامنا ہے۔بعض بالکل آتے ہی نہیں (سکول میں) جبکہ دیگر بے قاعدگی کے ساتھ آتے ہیں''80

ہیومن رائٹس واچ کو ایک استاد نے بتایا:

> (اساتذہ کے) اہل خانہ ہم پر ملازمت چھوڑنے کا دباؤ ڈالنے کی (کوشش) کرتے ہیں۔ہم شعبہ تدریس سے مستعفی ہونا برداشت نہیں کرسکتے۔ہم میں سے زیادہ اپنے گھریلو اخراجات اور ضروریات پورا کرنے کے لیے کام کررہے ہیں۔ہمارے کئی ساتھیوں پر ملازمت چھوڑنے یا کسی اور سکول میں تبادلہ کروانے لیے اُن کے اہل خانہ کا اب بھی دباو ہے۔ہم میں سے بیشتر کے لیے یہ ملازمت ایک آسائش نہیں بلکہ ضرورت ہے۔81

ایک اور استاد نے غیر بلوچ اور غیر پشتون اساتذہ کے خدشات کے متعلق بات کی:''ہم اپنے خاندان کے اراکین کے تحفظ کے بارے میں پریشان ہیں......جو ہمیں سکول چھوڑنے اور سکول سے واپس گھر لینے آتے ہیں۔ہمیں ڈر ہے کہ کسی دن ہمیں چھوڑ کر واپس جاتے ہوئے وہ بھی نشانہ بن جائیں گے''82

ایک استاد نے تسلیم کیا''میرا خیال ہے کہ ہم (اساتذہ) میں سے بیشتر اب دل ودماغ سے اپنے کام میں اتنی دلچسپی نہیں لیتے جتنی پہلے لیتے تھے''83 دوسرے استاد نے کہا''معمول کے مطابق محسوس کرنا انتہائی مشکل ہوجاتا ہے جب ایسا کچھ بھی نہ ہو جیسا پہلے ہوتا تھا''84

جس طریقے سے ایک استاد کو قتل کیے جانے کے سنگین اثرات دیگر اساتذہ میں خوف وہراس کی لہر پھیلا دیتے ہیں۔اس کا اظہار ہیومن رائٹس واچ سے ایک پرائمری سکول کے استاد نے خود کیا جو کوئٹہ فرار ہوگئے:

> مجھے براہ راست کوئی دھمکی نہیں دی گئی...... مجھے کوئی دھمکی والا خط، یا فون کال وصول نہیں ہوئی، لیکن میں امن و امان کی صورت حال اور اساتذہ کی ہلاکتوں کی وجہ سے پریشان تھا۔جب وہ (مقتول سکول ٹیچر کا نام اور جگہ کا نام خفیہ رکھا گیا ہے) قتل ہوگیا، اُس وقت میں بہت زیادہ خوفزدہ ہوگیا اور کوئٹہ منتقل ہونے کا فیصلہ کرلیا۔ایک دوست نے مجھے فون کیا...... اور کہا کہ کیا تجھے معلوم ہے کہ وہ (سکول ٹیچر کا نام خفیہ رکھا گیا ہے) قتل کر دیا گیا ہے......میں شدید خوفزدہ ہوگیا۔میں گھر گیا، ضروری چیزیں بیگ میں ڈالیں اور کوئٹہ تبادلے کے لیے باضابطہ طور پر درخواست دیے بغیر کوئٹہ روانہ ہوگیا۔اُس لمحے میں اپنے تحفظ کے علاوہ اور کسی بھی چیز کے بارے

79- ''بلوچستان میں سب سے زیادہ تعلیمی شعبے کو نظرانداز کیا گیا'': وزیر، دی انٹرنیشنل نیوز، مئی25، 2010ء۔

80- ہیومن رائٹس واچ کا سرکاری آفیسر منیر۔اے4 کا انٹرویو، مقام خفیہ، بہار 2010۔

81- ہیومن رائٹس واچ کا ٹیچر رحیم ٹی سے انٹرویو، مقام خفیہ، بہار 2010۔

82- ہیومن رائٹس واچ کا ٹیچر لال کے سے انٹرویو، مقام خفیہ، بہار 2010۔

83- ہیومن رائٹس واچ کا نفیسہ، اے سے انٹرویو، مقام خفیہ، بہار 2010۔

84- ہیومن رائٹس واچ کا ٹیچر ابراہیم۔اے سے انٹرویو، مقام خفیہ رکھا گیا ہے۔، بہار 2010

میں نہیں سوچ سکتا تھا...... میں اگلے دن چلا گیا۔[85]

سکولوں کے دنوں کا ضیاع

امن و عامہ کی مخدوش صورت حال کا دوسرا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سکولوں کے پڑھائی کے دنوں کے لیے کُھلے رہنے میں شدید کمی آ گئی ہے۔ ہیومن رائٹس واچ کو ایک اعلیٰ سرکاری افسر نے بتایا کہ اُس کے اندازے کے مطابق 2009 میں صوبہ بلوچستان کے سرکاری سکولوں میں پڑھائی کے دنوں کی تعداد 120 تھی جبکہ باقی ملک میں یہ تعداد تقریباً 220 دن ہے۔[86]

صوبائی حکومت نے پرائیویٹ اور سرکاری تعلیمی اداروں میں موسم سرما کی چھٹیوں کا آغاز 28 نومبر 2009 کو کیا جبکہ معمول کے مطابق یہ آغاز 15 دسمبر کو ہوتا تھا۔ فیصلہ تعلیمی اداروں کو درپیش خطرات کو کم کرنے کے لیے کیا گیا۔[87] 2009 کی موسم گرما کی چھٹیوں کے لیے سکول 21 جولائی کو بند کر دیے گئے اور 16 اگست سے پہلے نہ کھولے گئے، حالانکہ اس سے پیشتر سرکاری سکولوں میں عموماً جولائی کے آخری دو ہفتوں میں 10 دن کی چھٹیاں کی جاتی تھیں۔ ایسا اس لیے کیا گیا۔ حکومت کو خدشہ تھا کہ بیشتر تعلیمی اداروں پر 14 اگست کو حملے کیے جائیں گے جب ان میں سے متعدد ہمیشہ پاکستان کا یوم آزادی مناتے ہیں۔

اپریل 2009 میں بیشتر سکول کئی دنوں تک بند رہے جب تین بلوچ رہنماؤں کے قتل کے ردّعمل میں فسادات پھوٹ پڑے تھے۔ اکتوبر 2009 میں صوبائی وزیر تعلیم کے قتل کے بعد بھی تمام سرکاری سکول ایک ہفتے کے لیے بند رہے۔

85- ہیومن رائٹس کا ایک ٹیچر اکبر۔ ڈی سے انٹرویو، کوئٹہ، بہار 2010۔

86- ہیومن رائٹس واچ کا سینئر سرکاری آفیسر اقبال۔ کے سے انٹرویو، کوئٹہ، بہار 2010۔

87- ''بلوچستان میں وقت سے قبل ہی موسم سرما کی چھٹیاں''، 15 نومبر 2009، Dawn.com، http//news.dawn.com/wcs/wlm/connect/dawn-content-library/dawn/the-newspaper/national/early-winter-vacations-for-balochistan-519 (23 نومبر، 2010 کو حاصل کیا گیا)

VII- سکولوں پر حملے اور دھمکیاں

بلوچستان میں شدت پسندوں نے سکولوں کو دھمکیاں دینے اور اُن پر حملے کرنے کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے اور ان میں وہ سکولوں کی عمارت بھی شامل ہیں جو طلبا اور اساتذہ سے بھری ہوتی ہیں۔ وہی شدت پسند قوم پرست اور فرقہ وارانہ مقاصد جو اساتذہ پر تشدد میں پنہاں ہیں، سکولوں پر ہونے والے حملوں میں بھی نمایاں ہیں۔ اُن کے مقاصد جو بھی ہوں، ایسے حملے بچوں اور دیگر شہریوں کی زندگیوں کے لیے خطرناک ہوتے ہیں، اور تحفظ اور امن کے ماحول میں تعلیم حاصل کرنے کے حق کی نفی کرتے ہیں۔

حملوں میں آتشی بارود، گرینیڈ اور بم استعمال کیے جاتے ہیں اور شام کو بھی اور دن میں بھی ہوتے ہیں جب اساتذہ اور طلباء موجود ہوتے ہیں۔

ایک سکول پر ہونے والے ایک حملے کے بعد، ایک کم عمر نوجوان نے ہیومن رائٹس واچ کو بتایا:

> میں کمرہ جماعت میں تھا جب میں نے دھماکے کی آواز سنی۔ اِس کی آواز بہت بلند تھی۔ اس سے ہم خوفزدہ ہو گئے...... جونہی ہم نے دھماکے کی آواز سنی میں سکول کے صحن کی طرف بھاگ گیا۔ کمرہ جماعت کی کھڑکیاں ٹوٹ گئیں۔ بیشتر طلباء پہلے ہی صحن میں تھے۔ ہم میں سے بیشتر کو معلوم نہیں تھا کہ کیا ہوا ہے۔ میں نے دھواں دیکھا۔ کئی بچوں کو میں نے چیختے سنا۔ میرا خیال ہے کہ جب وہ افراتفری کے عالم میں بھاگ رہے تھے تو شیشے کے ٹکرے لگنے سے اُن میں بعض معمولی زخمی ہو گئے تھے...... متعدد اساتذہ زخمی ہو گئے۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ یہ بم دھماکہ تھا تو میں بہت زیادہ خوفزدہ ہو گیا......
>
> میرے والد مجھے سکول سے لینے آئے۔ میرا خیال ہے کہ میں صدمے کی حالت میں تھا۔ میرے جسم میں بہت کم قوت تھی...... جب ہم اپنے گھر جا رہے تھے، تو میں کار میں بے ہوش ہو گیا۔
>
> میرے والد مجھے واپس سکول بھیجنے پر رضامند نہیں تھے۔ وہ اب بھی میرا اس سکول میں جانا بہتر نہیں سمجھتے۔ (اگرچہ میں دوبارہ اس سکول میں چلا گیا) میں اس سکول کو پسند کرتا ہوں۔ میں اپنے اساتذہ سے پیار کرتا ہوں اور میں نے متعدد بار اپنے والد کو کہا ہے کہ میں اپنا سکول تبدیل نہیں کروں گا۔ میرے تمام دوست اب بھی سکول آ رہے ہیں۔ لیکن میں اب بھی بعض اوقات خوف محسوس کرتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ بیشتر بچے ابھی تک خوفزدہ ہیں......
>
> میری تعلیم متاثر ہوئی ہے کیونکہ ہم میں سے بیشتر بچوں کو ذہنی صدمہ پہنچا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہر کسی کی تعلیم متاثر ہوئی ہے...... میرا خیال ہے کہ بعض طلبا نے سالانہ امتحانات نہیں دیے۔
>
> میرے خاندان والے اکثر گھر پر میری سلامتی کے متعلق گفتگو کرتے رہتے ہیں...... بعض اوقات ہمارے ہمسایوں کے ساتھ بھی۔ ہم پہلے اس کے متعلق بہت کثرت سے گفتگو کرتے ہیں...... لیکن ہر دفعہ کسی سکول میں

کوئی وقوعہ ہو جاتا یا ایک استاد یا پروفیسر پر حملہ ہوتا ہے......اس سے گھر پر ہر کسی کے خدشات تازہ ہو جاتے ہیں......ہم خوف محسوس کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ جب میں سکول پر ہوتا ہوں تو میرے والدین میری سلامتی کے متعلق خوفزدہ ہو جاتے ہیں......

سچ تو یہ ہے کہ میری شدید خواہش ہے کہ حالات میں بہتری آئے تا کہ ہم بغیر کسی خوف کے اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھ سکیں۔ اس واقعے نے ہر فرد کو خوفزدہ کر دیا ہے۔ ہمارے اساتذہ بھی خوف زدہ ہیں۔ یہ بہت دہشت ناک واقعہ تھا۔[88]

ایک سکول کے اساتذہ نے شکایت کی کہ اُن کے سکول پر ہونے والے حملے کو کئی ماہ گزر چکے ہیں، لیکن تا حال اُنہیں سکول کی عمارت کو پہنچنے والے نقصان کی مرمت کے لیے حکومت سے مالی مدد نہیں ملی۔[89]

سکولوں پر حملے

ہیومن رائٹس واچ کو صوبائی حکومت سے اس بارے میں کوئی معلومات نہیں مل سکیں کہ پچھلے سالوں میں کتنے سکولوں پر حملے ہوئے ہیں۔ تاہم عینی شاہدین کے انٹرویوز اور اخبارات کی رپورٹوں سے ہیومن رائٹس واچ حملوں کے متعلق بنیادی معلومات اکٹھی کرنے میں کامیاب رہا۔ (یہ معلومات نیچے تاریخ وار الٹی ترتیب سے دی گئی ہیں) مزید حملوں کے ڈر سے انٹرویو دینے والے اساتذہ اور طلبا میں سے کوئی بھی یہ نہیں چاہتا تھا کہ ہیومن رائٹس واچ اُن کے سکول کا ذکر کرے کہ وہاں سے کسی نے محققوں سے اس ضمن میں بات کی ہے۔

2010

28 ستمبر:	ضلع لسبیلا کے صنعتی مرکز میں گورنمنٹ ہائی سکول پر نامعلوم اشخاص نے ہینڈ گرینیڈ پھینکا جس سے تین آدمی زخمی ہو گئے۔[90]
13 اگست:	ضلع خضدار میں ماڈل ہائی سکول پر دھماکہ خیز مواد سے حملہ کیا گیا۔[91]
یکم جون:	کوئٹہ میں منور روڈ پر سکول کے باہر بم دھماکہ، سکول کی باہری دیوار گر گئی لیکن کوئی زخمی نہیں ہوا۔[92]
یکم جون:	کوئٹہ میں منوجان روڈ پر ایک پرائمری سکول پر نامعلوم اشخاص نے گرینیڈ پھینکا۔ اس وقت سکول میں تفریح کی وجہ سے 200 بچے باہر کھیل رہے تھے۔ کوئی زخمی نہیں ہوا۔[93]

88- ہیومن رائٹس واچ کا طالب علم سے انٹرویو، مقام خفیہ، بہار 2010۔
89- ہیومن رائٹس واچ کا پانچ اساتذہ سے انٹرویو، مقام خفیہ، بہار 2010۔
90- ''پاکستانی بلوچستان میں ہینڈ گرینیڈ کے حملے میں تین افراد زخمی'' بی بی سی مانیٹرنگ ساؤتھ ایشیا، 29 ستمبر 2010
91- ''10 بس مسافر، 6 مزدور دھماکے میں ہلاک'' فرنٹیر پوسٹ، 15 اگست 2010
''بلوچستان میں راکٹ کے حملے سے حالات کشیدہ'' ڈیلی ٹائمز 14 اگست 2010
92- ''جنوب مغربی پاکستان میں سکول کے قریب دھماکہ'' کویت نیوز ایجنسی، 1 جون 2010
93- ''پاکستانی کوئٹہ میں دھماکے سے آٹھ افراد زخمی'' بی بی سی مانیٹرنگ ساؤتھ ایشیا 2 جون 2010

10 مئی: ضلع خضدار میں بلوچستان یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی کی دیوار سے لگا ہوا ریموٹ کنٹرول بم پھٹ گیا۔ قریب کھیلتے ہوئے کم از کم دو بچے زخمی ہو گئے۔[94]

19 اپریل: لورالائی میں سید ایجوکیشنل سکول میں نامعلوم حملہ آور نے بچوں کے ایک گروپ پر گرینیڈ پھینکا۔ ایک استاد نے جلدی سے اُٹھا کر اسے چھت پر پھینک دیا جہاں وہ پھٹ گیا۔ کوئی زخمی نہیں ہوا۔[95] نو دن بعد سکول میں ایک اور گرینیڈ پھینکا گیا جو پھٹ گیا لیکن کوئی زخمی نہیں ہوا۔[96]

6 اپریل: ضلع کوہلو کے ایک سکول کے صحن میں راکٹ کا دھماکہ جس سے عمارت جزوی طور پر تباہ ہوگئی۔[97]

18 مارچ: ضلع ڈیرہ بگٹی میں سکول کے قریب بم دھماکہ، تین افراد زخمی۔[98]

3 مارچ: خضدار میں یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی میں ایک بلوچ ثقافتی شو میں نامعلوم حملہ آوروں نے تین گرینیڈ پھینکے۔[99] اخبارات کے مطابق ایک طالب علم ہلاک اور کم از کم 9 زخمی[100]

2009

7 نومبر: کوئٹہ، مانو جان روڈ پر گورنمنٹ گرلز ہائی سکول پر نامعلوم حملہ آور نے گرینیڈ پھینکا۔ گرینیڈ نے اساتذہ کے کمرے کی چھت میں سوراخ کر دیا اور بم کے ٹکڑوں سے دو استانیاں اور ایک طالب علم زخمی۔[101]

18 جولائی: ارباب ٹاؤن کوئٹہ کے علاقے میں پرائیویٹ سکول پر نامعلوم افراد کا گرینیڈ سے حملہ۔ سکول کی ایک دیوار تباہ۔[102]

94- ''پاکستان: خضدار میں بم دھماکے سے تین بچے زخمی'' رائٹ وژن نیوز، 12 مئی 2010
''الگ الگ دھماکوں میں چار افراد زخمی'' دی نیشن 10 مئی 2010
95- ''سکول میں ہینڈ گرینیڈ پھینکا گیا'' بلوچ حال نیوز، 20 اپریل 2010
96- ''ایک ہفتے میں سرسید سکول میں دوسرا دھماکہ'' فرنٹیئر پوسٹ، 28 اپریل 2010
97- ''کوہلو میں سکول میں دھماکہ'' دی نیشن، 17 اپریل 2010
98- ''جنوب مغربی پاکستان میں بم دھماکے سے کئی افراد زخمی'' زنہوا جنرل نیوز سروس، 18 مارچ 2010
99- ''پاکستان: یونیورسٹی میں ہونے والے بم دھماکے کی تحقیقات کے لیے ٹربیونل قائم'' رائٹس وژن نیوز 14 مارچ 2010
100- ''خضدار میں دھماکے سے 2 طالب علم ہلاک'' ڈان، کام، 3 مارچ 2010
http://news.dawn.com//wps//wcm/connect/dawn-content-library/dawn/the-newspaper/fron-page/19-blast-claims-lines-of-two-students-330-44-02 (23 نومبر 2010 کو حاصل کیا گیا)
''خیبر میں مسلح افراد کا سکول پر حملہ'' ڈان. کام، 3 مارچ 2010
http//news.dawn.com/wps/wcm/connect/dawn-content-library/dawn/news/pakistan/04khuzdar-school-attached-qs-06 (23 نومبر 2010 کو حاصل کیا گیا)
101- امان اللہ کاسی ''حملوں میں 2 اساتذہ زخمی'' 8 نومبر 2009
''کوئٹہ میں گرینیڈ کے حملے میں اساتذہ اور طلباء زخمی'' ڈیلی ٹائمز 8 نومبر 2009
http://www.dailytime.com.pk/default.asp?page=2009/11/08/story.8-11-2009-pgl-6 (23 نومبر 2010 کو حاصل کیا گیا)
102- بلوچستان: کوئٹہ میں نامعلوم مجرموں کا سکول پر ہینڈ گرینیڈ سے حملہ'' دی نیشن آن لائن 18 جولائی 2009

13 جون: شہباز ٹاؤن کوئٹہ میں پرائیویٹ سکول پر نامعلوم حملہ آور کا گرینیڈ سے حملہ۔ دھماکے سے سکول کی چھت متاثر ہوئی۔[103]

2 مارچ: کالی کربلا ضلع پشین میں لڑکیوں کے ایک مدرسے پر خودکش حملہ۔ اطلاعات کے مطابق 6 افراد ہلاک اور 12 زخمی ہوئے۔ ہمایوں خان جگزئی، دارالحکومت پولیس افسر نے ذرائع ابلاغ کو بتایا کہ خودکش حملہ آور 14 سے 15 سال کی عمر کا تھا حالانکہ دوسرے ذرائع کا کہنا ہے کہ خودکش حملہ آور اس سے زائد عمر کا تھا۔ جمعیت علمائے اسلام (JUI) اسلامی سیاسی جماعت کا کہنا ہے کہ یہ حملہ اُن کے قائد مولانا عبدالوسے کے خلاف تھا۔ جو صوبائی وزیر ہیں اور اس وقت مدرسے کے دورے پر تھے۔[104]

2008

19 اکتوبر: کوئٹہ میں سکول کے باہر کھڑی گاڑی میں نامعلوم افراد کا بم سے حملہ۔ گاڑی تباہ لیکن کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔[105]

19 ستمبر: جمعیت علمائے اسلام کے زیر انتظام کوئٹہ کے شمال میں واقع ایک مدرسے میں بم دھماکہ۔ پانچ افراد ہلاک اور 10 سے 14 افراد زخمی ہوئے۔ مصدقہ اطلاعات نہیں مل سکیں کہ یہ دھماکہ خودکش حملہ تھا اور بم پھینکا گیا تھا یا نصب کیا گیا تھا۔[106]

3 اگست: گلی کالونی کوئٹہ میں ایک پرائیویٹ سکول، باب الاسلام ماڈل پبلک ہائی سکول میں مبینہ ملزموں نے فرنیچر، کمپیوٹر اور ریکارڈ کو آگ لگادی۔ چار کمرے تباہ ہوگئے۔[107]

25 فروری: سریاب روڈ کوئٹہ پر واقع نصابی کتب کے ذخیرہ خانے میں نامعلوم افراد نے گھس کر آگ لگادی۔ اس ذخیرہ خانے سے پورے بلوچستان میں کتابیں بھیجی جاتی ہیں۔ مجموعی کتابوں کا 5 فیصد جل کر راکھ ہوگیا۔[108]

103- ''کوئٹہ اور قلات میں دوسرا قتل اور تربت میں پانچ گاڑیاں جلادی گئیں'' بلوچ وائس (14 جون 2009)
104- ''پاکستان کے صوبے بلوچستان میں ہونے والے خودکش حملے کی تحقیقات شروع'' جیوٹی وی 3 مارچ 2009
105- 'شمال مغربی پاکستان میں سڑک کے کنارے بم دھماکے میں 16 ہلاک'' پریس ٹرسٹ آف انڈیا، 9 اکتوبر 2008
106- ''پاکستان کے مذہبی سکول میں بم دھماکے سے 5 ہلاک'' ایسوسی ایٹڈ پریس آن لائن
http://www.breitbart.com/article.php?id=D939SB80Dschool-article=1 (23 نومبر 2010 کو حاصل کیا گیا)
''پاکستانی سکول میں دھماکے میں 5 ہلاک'' سڈنی مارننگ ہیرالڈ، 19 ستمبر 2008
http://news.smh.com.du/world/fine-dead-in-pakistan-school-bomb-blast-200809-4kby.thml
''پاکستانی سکول میں دھماکے سے 5 ہلاک'' پریس ٹی وی، (19 ستمبر 2008)
''کوئٹہ میں قبرستان میں دھماکے سے 6 ہلاک، 10 زخمی'' پاجوک افغان نیوز، 20 ستمبر 2008 (23 نومبر 2010 کو حاصل کیا گیا)
http://www.highbeam.com/doc/IGI-185368807.html (23 نومبر 2010 کو حاصل کیا گیا)
107- امان اللہ کاسی، ''کوئٹہ میں گرلز سکول پر حملہ'' ڈان. کام (4 اگست 2008)
108- ''لاکھوں روپے کی کتابیں جل گئیں'' دی پاکستان نیوز وائر (26 فروری 2008)

فروری: الیکشن کے دوران مبینہ مسلح افراد نے ایسے کئی سکولوں پر حملے کیے جن کو بطور پولنگ اسٹیشن استعمال کیا جانا تھا۔ الیکشن کے دوران کئی سکول بموں کے نشانے پر تھے لیکن یہ بات واضح نہیں کہ وہ پولنگ اسٹیشن تھے یا نہیں۔ 15 فروری کو کوہلو میں سکول میں دھماکے سے 5 طالب علم زخمی ہو گئے۔[109] 16 فروری کو قلات میں لڑکوں کے سکول کے قریب دھماکہ ہوا۔[110]، 17 فروری کو الیکشن سے ایک دن پہلے کوہلو کے گریسی کے علاقے میں لڑکوں کے سکول کے قریب دھماکہ ہوا۔ کلی قمبرانی کوئٹہ میں سرکاری پرائمری سکول پر ایک نامعلوم شخص نے ہینڈ گرینیڈ پھینکا۔ کلی اسماعیل کوئٹہ اور سوراب قلات میں پرائمری سکولوں کے بیرونی دروازہ پر بم دھماکے ہوئے اور آواران ضلع کے رنجان اور نوکجو کے علاقوں میں گورنمنٹ ہائی سکول پر راکٹ سے حملے کیے گئے۔[111]، 18 فروری کو پولنگ کے دن، خضدار میں ماڈل ہائی سکول میں بم دھماکہ ہوا اور ضلع پنجگور میں کلی تمپ گرلز ہائی سکول پر راکٹوں سے حملہ کیا گیا۔[112]

قوم پرست گروہوں سے دوسرے خطرے

بلوچ مسلح گروپوں نے اساتذہ اور سکول کی انتظامیہ کو مروجہ طریقوں کو روکنے کے لیے دھمکیاں دیں ہیں جیسے کہ مطالعہ پاکستان پڑھانے پر، پاکستانی جھنڈا لہرانے پر، قومی ترانہ گانے پر۔ مثال کے طور پر 25 اکتوبر 2010 کو بلوچ آزاد محافر (BLF) نے صوبے میں تمام تعلیمی اداروں میں پمفلٹ پھینکے جس میں اساتذہ اور عملے کو خبردار کیا گیا کہ قومی ترانہ یا قومی پرچم نہ لہرائیں۔ پمفلٹ میں کہا گیا کہ اگر اس بات پر عمل نہ کیا گیا تو اس کے بھیانک نتائج ہوں گے۔[113]

ایک سرکاری ماہر تعلیم نے کہا۔

> ''میرے خیال میں ایک چیز بچوں کو براہ راست متاثر کرے گی۔ وہ یہ کہ بہت سے بلوچ علاقوں میں مطالعہ پاکستان (پاکستان کی تاریخ اور جغرافیہ) پڑھانا بند کر دیا گیا ہے حتیٰ کہ مقامی اساتذہ جو کہ بلوچ نہیں اس

109- ''بلوچستان میں دھماکوں سے 3 ہلاک اور آٹھی زخمی'' پجوک افغان نیوز (15 فروری 2008)
110- ''سرکاری سکولوں کی عمارتوں پر راکٹوں سے حملہ، پاور پائلن اور ریلوے لائن دھماکے سے اڑا دی گئی'' دی بلوچستان ٹائمز (18 فروری 2008)
111- شہزادہ ذوالفقار، ''بلوچستان میں تشدد سے 4 فوجی ہلاک'' دی نیشن (18 فروری 2008)
''بلوچستان میں 4 پولیس والوں سمیت 9 افراد زخمی'' دی پاکستان نیوز واٹر (17 فروری 2008)
''پاکستان کے صوبے بلوچستان میں تشدد سے 6 افراد ہلاک اور 9 زخمی'' بی بی سی مانیٹرنگ ساؤتھ ایشیا۔ پولیٹیکل (19 فروری 2009)
''راکٹوں سے سرکاری سکول کی عمارتوں پر حملے، پاور پائلن اور ریلوے لائن بھی دھماکے سے اڑا دی گئی'' دی بلوچستان ٹائمز، 18 فروری 2008
112- ''پاکستان میں صبح صبح ووٹنگ میں خلل۔ ٹی وی'' بی بی سی مانیٹرنگ ساؤتھ ایشیا۔ پولیٹیکل (18 فروری 2008)
''پاکستان کے شہر کوئٹہ میں پولنگ اسٹیشنوں کے نزدیک دھماکے'' بی بی سی مانیٹرنگ ساؤتھ ایشیا۔ پولیٹیکل (18 فروری 2008)
''پولنگ والے دن بلوچستان میں بم دھماکے اور راکٹ حملے'' دی پاکستان نیوز وائر (19 فروری 2009)
113- بلوچ علیحدگی پسندوں نے ضلع میں پاکستانی قومی جھنڈے اور ترانے پر پابندی لگا دی'' بی بی سی مانیٹرنگ ساؤتھ ایشیا (27 اکتوبر 2010)

مضمون کو پڑھانے سے ہچکچاتے ہیں کیونکہ اس سے ان کی جان کو خطرہ ہے۔"[114]

ہیومن رائٹس واچ کو ایک استاد نے بتایا، "ہم پاکستانی پرچم نہیں لہرا رہے۔ آپ جانتے نہیں زیادہ سکول خوف کے ڈر سے پاکستانی پرچم نہیں لہرا رہے ہیں۔ دوسرے سکولوں کی طرح، صبح کے اجتماع میں ہمارے سکول میں بھی قومی ترانہ نہیں ہوتا۔[115]

ایک اور استاد نے بتایا، "امن و امان کی مجموعی صورت حال نے ہماری سکول کی سرگرمیوں کو متاثر کیا ہے۔ مثال کے طور پر ہم 23 مارچ کو یوم پاکستان اور 14 اگست کو یوم آزادی مناتے تھے جس میں طلبا شریک ہوتے تھے لیکن اب ہم ان میں سے کوئی بھی نہیں مناتے"[116]

یہ خالی دھمکیاں نہیں ہوتی۔ 13 جون 2009 کو قلات میں یک سینئر استاد، انور بیگ کے قتل کے بعد، بلوچ آزاد فوج (BLA) کے ترجمان نے وضاحت کی کہ اس نے سکول میں بلوچستان کے قومی ترانے اور بلوچستان کے پرچم کو لہرانے کی مخالفت کی تھی"۔[117]

اسلامی جنگجوؤں سے سکولوں کو خطرات

کچھ سکولوں کو ملنے والی دھمکیوں سے لگتا ہے کہ یہ اسلامی مسلح گروپوں کی طرف سے ہیں۔ مثال کے طور پر ضلع گوادر میں ایک پرائیویٹ سکول کو دھمکی آمیز خط ملا جس میں مطالبہ کیا گیا کہ سکول میں لڑکوں اور لڑکیوں کی اکٹھے پڑھائی بند کی جائے۔[118]

مئی 2010 میں ایک اسلامی مسلح گروپ حرکت المجاہدین نے مستونگ میں تمام نجی سکولوں کو دھمکی دی کہ سکولوں میں مغربی طرز کا لباس ختم کر کے مقامی شلوار قمیض شروع کی جائے۔ لڑکیوں کو کہا گیا کہ مکمل حجاب کریں۔ اس تنظیم نے ضلع میں نجی سکولوں میں پمفلٹ تقسیم کیے جس میں اس کام کو مکمل کرنے کے لیے دو دن کا الٹی میٹم دیا گیا تھا۔ تنظیم نے ان احکامات پر عمل نہ کرنے کے نتیجے میں "سنگین کارروائی" کی دھمکی دی[119]

114- ہیومن رائٹس واچ کا ضلعی انتظامیے کے ماہر تعلیم "سعدن" سے انٹرویو، مقام خفیہ، موسم بہار 2010

115- ہیومن رائٹس واچ کا استاد "لال ک" سے انٹرویو، مقام خفیہ، موسم بہار 2010

116- ہیومن رائٹس واچ کا استاد "ابراہیم الف" سے انٹرویو۔ مقام خفیہ، موسم بہار 2010

117- "پاکستان: قلات میں سکول کا استاد قتل" ڈیلی پاک بینکر (14 جون 2009)

"سکول کے استاد کو قتل کر دیا" دی پاکستان نیوز وائر (14 جون 2009)، "استاد قتل" دی نیوز (14 جون 2009)

"کوئٹہ اور قلات میں دو قتل اور تربت میں پانچ گاڑیاں جلا دی گئیں" بلوچ وائس کام (14 جون 2009)

http://www.balochvoice.com/bvoice/modules/news/article.php?-storyid=6 (23 نومبر 2010 کو حاصل کیا گیا)

118- خط کی کاپی ہیومن رائٹس واچ کی فائل میں موجود ہے

119- "مستونگ میں پرائیویٹ سکولوں کو مغربی طرز کا لباس استعمال کرنے پر دھمکیاں" بلوچ حال نیوز، (15 مئی 2010)

شکریہ کے کلمات

یہ رپورٹ بیڈ شیپرڈ نے لکھی جو کہ ہیومن رائٹس واچ میں بچوں کے حقوق کے شعبے میں سینئر محقق ہیں۔

رپورٹ کی مدارت کرنے والے ہیں زاما کورسن نیف جو کہ بچوں کے حقوق کے شعبے کی نائب سربراہ ہیں۔علی دیان حسن جو کہ شعبہ ایشیا کے اعلیٰ محقق ہیں۔جیمز روس جو کہ شعبہ قانون اور منصوبہ بندی کے سربراہ ہیں اور ڈینئیل ہیس جو کہ شعبہ پروگرام میں مشیر ہیں۔

رپورٹ کی پروف ریڈنگ اور پیداور میں کاٹل نائٹ نے مدد کی جو کہ بچوں کے حقوق کے شعبہ میں ہیں۔

رینالوپ روٹر تخلیقی منتظم، گریس کوئی، شعبہ اشاعت کے سربراہ، اور فٹز رائے ہیکنز، شعبہ ڈاک کے منتظم نے رپورٹ کی تیار میں مدد کی۔

ایمی کاپت سپٹیا نلے، نیو یارک یونیورسٹی میں بین الاقوامی تعلیم کے پی ایچ کے طالب علم نے اس رپورٹ کے لیے اضافی تحقیق کی۔
ہیومن رائٹس واچ آئی۔اے رحمٰن، حنا جیلانی اور پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے عملے کی معاونت پر اُن کا مشکور رہے۔